فہرست کتاب واقعات کربلا

بعض ہمراہیان حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت عباسؑ	حضرت امام حسینؑ کے علاتی بھائی
حضرت علی اکبرؑ	حضرت کے بڑے صاحبزادے
حضرت سجادؑ	حضرت کے منجھلے صاحبزادے۔ حضرت علی اوسط اسم گرامی اور زین العابدین وسجاد لقب ہے۔
حضرت علی اصغرؑ	حضرت کے چھوٹے صاحبزادے۔
حضرت قاسمؑ	حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے
حضرت عونؑ حضرت محمدؑ	حضرت کے بھانجے یعنی حضرت زینبؑ کے صاحبزادے
حضرت مسلمؑ بن عقیل	حضرت کے چچا زاد بھائی۔
حضرت محمدؑ بن حنفیہ	حضرت کے علاتی بھائی
حضرت حُر	فوج شام کے ایک افسر جو حضرت امامؑ کے ہمراہیوں میں شامل ہو کر شہید ہوئے

اہل حرم

حضرت شہربانوؑ	حضرت امام حسینؑ کی بی بی

بیانِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

شاہدِ سخن کا وہ جہاں سوز جلوہ جو نظمِ اردو کے لباس میں دنیا کے سامنے آیا دورِ تیموریہ کا وہ زریں کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ جس پر تاریخ ہند کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ اس آفتابِ لبِ بام کی یہ ڈوبتی ہوئی کرن اُفقِ دہلی سے ایک بار اس آب و تاب سے چمکی کہ سرزمین ہند کو اس سرے سے اُس سرے تک روشن کر گئی چاروں طرف سے خرمنِ کمال کے خوشہ چین اور خوانِ معانی کے ریزہ خوار ٹوٹ پڑے اور اس شاہدِ نوخیز کی رعنائیت پر نثار ہونے لگے۔ کیونکہ اس ملکۂ سخن میں وہ تمام ادائیں دلفریبی کی فطرۃً موجود تھیں جن کی بدولت وہ سارے قلمروِ معنی پر اپنی عالمگیر حکومت قائم کر سکی تھی۔

حضرت زینبؑ	حضرت کی بہن۔
حضرت کبریٰ حضرت صغریٰ حضرت سکینہ	حضرت کی صاحبزادیاں۔
فضہ	حضرت کی لونڈی

فوج شام کے بعض افراد

عبداللہ بن زیاد	کوفہ اور بصرہ کا گورنر
عمرو بن سعد	فوج کا سپہ سالار۔ صوبہ رے کا حاکم
شمر سنان ازرق بن قطبہ وغیرہ	فوج کے افسر

اس کتاب کو ذیل کے پتہ سے طلب کیجیے

سید منظور علی علوی۔ کوٹھی منشی احتشام علی صاحب۔ ۱/۳

اُس کے خوانِ نعمت کو دیکھتے ہیں تو جھرمٹ کے جھرمٹ عجمی الاصل جوانوں کے نظر آتے ہیں جو قند پارسی سے بیزار ہو کر ریختہ کی چاشنی پر چٹخارے لے رہے ہیں۔ اس ہمہ گیری و عالم فریبی کے ساتھ اگر دولت و حکومت کی اقبالمندی چند روز اور پشت پناہی کر جاتی تو کچھ شک نہ تھا کہ اردوئے معلّٰے جس نے برج بھاشا سے نکلکر اُردوے شاہجہانی میں دوسرا جنم لیا تھا دُنیا کی بڑی سے بڑی سرمایہ دار زبانوں میں ایک زبان شمار کیے جانے کے قابل ہو جاتی۔ اُسکے خزانے نظم میں ہوں یا نثر میں طرح طرح کے علوم و فنون سے معمور نظر آتے اور آج اُردو کے سرمایہ داروں کو دوسروں کا شرمندۂ احسان ہونا نہ پڑتا۔

قسمت کی خوبی کہو یا زمانے کی نیرنگی کہ نظم اُردو کا کوکب اقبال چمکا بھی تو کب، جبکہ دولت تیموریہ دم توڑ رہی تھی، اجزاے سلطنت میں انتشار و عناصر حکومت میں افتراق پیدا ہو گیا تھا۔ اہل مُلک سے فضائل و محاسن ایک ایک کر کے سلب ہوتے جاتے تھے اور بجاے ان کے آثار نکبت و ادبار ارکان سلطنت سے لے کر افراد قوم تک کی رگ و پے میں سرایت کر چلے تھے۔ بادشاہ سے لے کر گدا تک ایک ہی رنگ میں شرابور نظر آتا تھا۔ ان عیش پسند متوالوں سے جو ملکداری کی صلاحیت تک رنگ رلیوں پر تصدق کر بیٹھے تھے علوم و فنون کی سرپرستی، تحقیق و تدقیق کی حمایت یا ایجاد و اختراع میں صرفِ ہمت کی کیا توقع کی جا سکتی تھی۔

اگرچہ شعرائے زماں نے جن کو قدرت نے عروسِ سخن کی مشاطگری کی
قابلیت عطا فرمائی تھی اس عجوبۂ روزگار کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا
لیکن مذاقِ عامہ کے دائرہ سے وہ کب باہر جا سکتے تھے۔ قبولِ عام کا —
مذاقِ عامہ کے ہاتھ میں تھا اور مذاقِ عام دربارِ سلطنت و ارکانِ
دولت کے ذوقِ سلیم کا تابع۔ ذوقِ سلیم مدت گزری کہ حقیقت سے
دور ہو کر مجاز ہی مجاز رہ گیا تھا۔ عشق و محبت کے وہ پاکیزہ جذبات
جنہوں نے انسان کو بشریت سے ملکوتیت تک پہنچا کر چھوڑا تھا اب صرف
بوالہوسی کے ناپاک رجحانات تک محدود ہو کر رہ گئے تھے اسیرؔ

سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

اردو شاعری کے روح و رواں زیادہ تر قندِ پارسی کے چاشنی خوار تھے
قندِ پارسی کا بہت پہلے سے قوام بگڑ کر سکنجبین ثنائی بن چکا تھا۔
تاریخِ فارس کی صفحہ گردانی بتلا رہی ہے کہ قدمائے پارس —
جذباتِ عشقی کی مصوری اور واقعات کی نقشہ بندی کے لیے دو تمام
ثنا کے بزم و رزم کے قواعد و دستور رکھے تھے۔ یہی دونوں ثنا کے مختلف
حیثیتوں میں متعدد پہلوؤں سے خصوصیات کی روا[illegible] تاریخ
بنا بر تخیلِ شاعرانہ کی جولان گاہ اور شطرنجِ افکار کے معرکۃ الآرا میدا

بنتے رہے۔ ارض طوس سے جس کے گرد وپیش جنگجو قوموں کے رہنے سہنے
جن کے واقعوں میں ہر دم پہلوانوں کے فاتحانہ کارنامے رچے بسے رہا
کرتے تھے گلستان پارس کا سب سے پہلا بلند معانی اُٹھتا ہے تو
فطرۃً اپنے کو رزم کا مرد میدان پاتا ہے۔ نیزۂ قلم سنبھال کر اس شان سے
محمود غزنوی کے دربار میں آتا ہے کہ سارا دربار کانپ جاتا ہے۔
بیان کی قدرت دیکھو کہ سیستان کے ایک سپاہی زادہ کا جسے
خدا جانے کب سے دیر گردوں نے خاک کے تودوں میں چھپا رکھا تھا
جو بازو تھامتا ہے تو جوش وخشاں بنا کر حیات جاوید کی کرسی پر لا بٹھاتا
ہے۔

خاک شیراز سے جس کو مرکز دولت ہونے کی خصوصیت نے آرائش بزم
سے خاص مناسبت دے رکھی تھی ایک شیخ بزرگ عصا سے پیری
تھامے ہوئے اُٹھتے ہیں۔ باتوں باتوں میں بے تیغ وسناں یکہ وتنہا
دو عالم رستان معانی پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ سیدہ فیاض نے بذلہ سنجی
و لطیفہ گوئی کو خمیر طبیعت بنا دیا تھا جس بزم جس انجمن میں پہنچتے ہیں
تو وہ تو دو چار شکر پارے اہل بزم کی ضیافت طبع کے لیے چھوڑ کر
چلتے ہوتے ہیں لیکن انجمن کی انجمن واہ واہ کرتی رہ جاتی ہے۔

غرضکہ شعرائے عجم کا طائر اقبال رزم و بزم کے دو بازوؤں کے سہارے سدرہ
طائر سدرہ سے بازی لے جا رہا تھا کہ متصوفین کا ایک بڑا گروہ نشۂ عرفانی
سے جھومتا جھامتا ادھر آ نکلا - اہل بزم کو سرگرم غزلخوانی دیکھ کر آپ بھی
ہم آہنگ ہو بیٹھا سچ یہ ہے کہ ان رازداران موز حقیقت کی ہم آہنگی ہی فارسی کے معراج
کمال کی سدرۃ المنتہیٰ تھی سرودِ فارس میں وجدانیات کے تمام سُر انکی گلے بازیوں
صدقہ ہیں - آتشِ عشق کے وہ شرارے جو اُنکے پاک دلوں کو گرما رہے تھے لعل و گہر بنکر
صدفِ زبان سے ٹپک پڑتے تھے اور عروسِ سخن کا آویزۂ گوش ہو جاتے
تھے - فارسی زبان اور اُس کی شاعری درحقیقت اُسی وقت تک زبان [illegible]
اور اُسی وقت تک شاعری بنی رہی جبتک اُسے عرفانِ الٰہی کے
چشموں سے آبحیات ٹپکتا رہا - ان سرچشموں کا منھ بند ہونا تھا کہ
گلستانِ فارس کا مرجھا کر رہ جانا - یہی وہ آخری عہد ترقی تھا کہ جس کے
بعد قلمروِ سخن کی ملکیت اُن ہاتھوں میں جا پڑی جو خود مطالعۂ فطرت سے
اُکتا کر استعارہ و تشبیہ کے خم و پیچ میں گرفتار ہو رہے تھے اور
اور کائنات شاعری اسی کو سمجھ بیٹھے تھے - اُن کی قلمکاری کا
مقصد مناسبت الفاظ اور استعارۂ بیان سے زیادہ کچھ نہ تھا ایسے
نارسا کی داشتگوئی سے اُنھیں کے آغوشِ تربیت میں اُردو سے پہلے

پائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اردو شاعری اس وسعت و ہمہ گیری اور جذبات کی بیساختگی سے محروم ہو گئی جو نظم فارسی کی طرۂ دستار میدان رزم تک اسے بار نہ ملا۔ آرائش بزم کے کام کی رہ گئی۔ بزم بھی کیخسرو و افراسیاب، تیمور اور اکبر کی نہیں بلکہ محمد شاہ رنگیلے یا عالم کی سبھا جسکے رقص و سرود کی داستانیں اور چنگ و رباب کی یں آجتک کانوں میں گونج رہی ہیں۔

باوجود اس کے اس سیج بھاشا کے پرستان کی پری کی انکھڑیوں میں نے کیا جادو بھرا تھا اور اس کی سادہ وضعی میں قدرت نے کس بلا کی ق رکھ دی تھی کہ باوجود اس درجہ بے اعتنائی کے یہ خود اہل زمانہ حد تک ذوق سلیم کی چاشنی پر لگا لائی اور ہر دور میں چند ایسے ل پیدا کر دکھائے جن کو دربار اردو کا انوری، خاقانی، سعدی و کہنا کچھ بیجا نہیں۔ میر و درد کو دیکھو۔ سودا و مصحفی کے کلام پر نظر ڈالو وغالب کی دقیقہ سنجیوں پر غور کرو اور شیخ ناسخ کے کشکول سخن اور آتش کے آتشکدۂ خیال کی سیر کرو۔ قریب قریب وہی سج دھج وہی بیان وہی سادگی و بے تکلفی اور اسی طرح کی شعلۂ عشق کی افروزیاں ملیں جن سے اپنے اپنے دور میں خاقانی و انوری سعدی و

حافظ شبستان فارس کو گرماتے رہے۔ کیا اُردو اور کیا اُردو کی بازار میں جواہر سخن کی مانگ تھی، گوہر اشک گراں پوچھتا۔ پھر بھی
پھر بھی شاباش اُسکے حوصلہ پر کہ بزم سخن کو آب و تاب دے کر بھی مجلس اعتقاد بزرگوں نے طرۂ دستار بنانے میں کمی نہیں کی لیکن میدان داری
میدانِ رزم کی نارسائی کا کانٹا اُسکے دل میں کھٹکتا رہا اور جب تک امنگ جس نے اُنسے ایسی کڑی منزل طے کرائی تھی دل کی دل ہی میں جاتی
نکال نہ پھینکا کسی طرح قرار نہ آیا۔ اُسکے نورتن میں فردوسی کی جگہ خالی کیونکہ میدان کی صعوبت اور واقعات تاریخ کی تلخی حوصلہ مند سے حوصلہ مند کو
اُسکے بغیر نظم اُردو کا پرچم اقبال درفش کاویانی کی آب و تاب سے شر اُسکے بغیر پھیڑتی تھی۔ آفریں ہے میر ضمیر اور میر خلیق کی زور آزمائیوں پر کہ دوڑ کر
لیکن مشکل یہ تھی کہ رزمیہ شاعری اصولاً محتاج ہے واقعاتِ شجاعت ون کے نقش قدم پر تھوڑے تھوڑے تصرفات سے اپنے لیے ایک راستہ
کی۔ اور ایسے واقعات و فتوحات کا ملک میں تخم ہی باقی نہ رہا تھا۔ اگر ن لائے۔ مرثیہ جس کی اصلی وضع مصائب امام ہمام کی مصوری اور جسکی
تو وہ اہل ملک کی مفتوحانہ غلامی کی داستان کا ایک ورق، جو ہر پہلو سے ی ایصال ثواب و حصولِ نجات سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ ان دو باکمالوں کے
ذکر و ناقابل بیان۔ اُسپر طبع آزمائی کا کسے حوصلہ ہو سکتا تھا۔ اُسکے ں ہر طرح تخئیل شاعری و حُسنِ بیان کا موضوع قرار پا چلا۔
ہمت کا بال پرواز دیکھو کہ کس خوبی سے اس نے یہ مہم بھی سر کی۔ سرزمین ان دو حوصلہ مندوں نے ایک طرف تو اپنی طبیعت داریوں کے جوہر دکھلائے
کی ناقابلیت نے جب صاف جواب دیدیا تو سمندر پار جا کر اپنے لیے میدا طرف اپنے آغوش تربیت میں میر ببر علی انیس اور مرزا سلامت علی دبیر
کا زبردست ڈھونڈھ نکالا۔ میدان کا ہاتھ آنا تھا کہ آگے پیچھے طبیعت دار نوجو میدان داری کے گھر گھاٹ سکھا کر آگے بڑھایا۔
چل کھڑے ہوئے۔ ابھی قافلہ عراقِ عرب ہی تک پہنچا تھا کہ میدانِ یہ دونوں فصاحت و بلاغت کے پرچم اُڑاتے ہوئے اس جوش و خروش
نظر آیا حُسنِ عقیدت نے آواز دی کہ کہاں جاتے ہو سرمایہ کائنات اہ میدان میں آئے کہ درفش کاویانی کی دھجیاں اُڑا دیں۔ انکے آنے ہی کی
پاک میں ودیعت ہے۔ پردۂ غیب کی یہ آواز دو درد مندوں پر کام کر گئی تھی۔ یہ کیا آئے میدان سخن ہی ہاتھ آگیا۔ خاقانی نے بڑھ کر مرزا کا بازو
ارادت ٹیک کر وہیں بیٹھ گئے اور لگے دامن بھر بھر کر گوہر اشک نچھاور کر ما اور لسان الغیب نے میر صاحب پر تحسین کے پھول برسائے۔

، میر و مرزا، ان دو لفظوں میں کیا جانے کیا برکت خدا نے دے رکھی
جس طرح نظم اردو کا ایوانِ بزم میر تقی اور مرزا رفیع کے قوتِ بازو پر قائم
اسی طرح میدانِ رزم میر انیس اور مرزا دبیر کی نوک قلم کے نیچے رہا۔ کو
کہہ سکتا ہے کہ قلمرو اردو کا میدان رزم آراستگی و سجاوٹ میں اسکے ا
سے ہیٹارہ گیا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو محاسن شاعری اور کمالِ سخنوری
اعتبار سے اگر کوئی کمی باقی رہگئی تھی تو اسے بھی میر انیس کی قدرتِ کلا
مرصع کاری نے پورا کر کے نظم اردو کو معراج کمال تک پہنچا دیا جس مرثیہ
دیکھو باغ و بہار نظر آتا ہے۔ طرح طرح کے گلہائے مضامین کھلے ہو
عروسِ سخن کی گود جواہر معنی سے بھری پڑی ہے۔ فطرتِ انسانی اور ا
جذبات کے وہ خاکے نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں جن پر آج تک کسی
کی شاعرانہ تخئیل قابو نہ پاسکی۔ اسپر الفاظ کا تناسب، بندش کی
برجستگی، زبان کی نزہت و پاکیزگی، بیان کی روانی چار چاند لگاتی
ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

تیرا اندازِ بیان شانۂ زلفِ الہام
تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

لیکن جس طرح ہر واقعۂ تاریخی کے متعدد واقعات اجزائے ترکیبی

واقعۂ شہادت حضرت سیدالشہدا بھی بہت سے اجزائے طبعی کا مجموعہ تھا جس کے
ہر فرد کو مرثیہ گویوں نے مختلف بحروں میں جدا جدا مرثیوں کا موضوع قرار دیکر
اپنی صناعی کے جوہر دکھلائے تھے اس لیے ان سلسلہ وار واقعات پر بیک نگاہ
نظر ڈالنی یا یوں کہو کہ مختلف جذبات فطرت کو کسی ایک صحیفہ میں مطالعہ کرنا
قدردانانِ سخن کے لیے دشوار ہو گیا تھا۔ آج جبکہ اہلِ ملک کی نگاہوں پر مغربی
عینکیں چڑھی ہوئی ہیں، ذوقِ سخن یورپین لٹریچر اور اسکے اسلوبِ بیان کا
دلدادہ ہو رہا ہے اور نئی تعلیم یافتہ نسل مسلسل اور مکمل نظموں کی تلاش میں سرگرم
ہے، مذاقِ عامہ کے تقاضے سے میں نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک سلک گہر
میں پرونے کی ہمت باندھ کر سب سے پہلے میر صاحب کے خرمنِ کمال پر چنگل
مارا۔ میر و مرزا کی فضلیت کا سوال میرے حل کرنے کی بات نہیں۔ میرے انتخاب
کی اولیت کو اس بحث سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ یہ وہ پرانا جھگڑا ہے جو ان دونوں
باکمال بزرگوں کے نشو و نما کے ساتھ ساتھ عالم وجود میں آیا اور جب تک
بزمِ معانی ان دونوں کی گرمیِ سخن سے گرماتی رہے گی یہ جھگڑا بھی ہنگامہ پسند
طبائع کی ضیافتِ طبع کرتا رہے گا کسی بزرگ نے اس قضیہ میں لسان الغیب
سے تفاول کیا۔ خواجہ صاحب کی حاضر جوابی دیکھو۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

ستارۂ بدرخشید و ماہِ مجلس شد　　دلِ رمیدۂ ما را انیس و مونس شد

زبان اُردو کی اول ایپک پوئم کا یہ پہلا حصہ جو واقعاتِ ابتدائی کے سلسلہ میں شہادت امام علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے بالفعل اہل سخن کی بھی نذر کیا جاتا ہے دوسرا حصہ جو تاراج حرم محترم سے لے کر واپسی مدینۂ منورہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے بعد کو شائع کیا جائے گا۔

اس انتخاب کے دونوں حصے اوّل سے آخر تک تنہا بحر ہزج باختلاف زحافات میں ہیں۔ بلحاظ واقعات سلسلہ کلام منقطع نہیں ہونے پایا ہے۔ جدا جدا مرثیوں سے بہترین بند لے کر اس طرح اُنکو جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بادی النظر میں احساس مشکل ہے۔

سوا دو ایک جگہ کے اور وہ بھی بضرورت ربط کلام کہیں کوئی تصرف نہ کیا گیا ہے نہ کسی کی مجال ہے۔ دوسرے حصہ کے آخر میں ان تصرفات کی تفصیل کر دی گئی ہے۔

منظور علی علوی

لکھنؤ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدینے سے روانگی

[illegible]ان محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے — خورشید تھا نہ زہرہ جبینوں کا سفر ہے
[illegible]ٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے — اک دن کا نہیں کچھ مہینوں کا سفر ہے
گھر و چمن دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں — بسانے جنگل کو چلے ہیں

[illegible]ن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے — جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
[illegible]قت ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے — چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی بھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام — کرتا ہے سفر قلع راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمہ و آلام — منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

اس فصل میں ہے نہضت فرزند پیمبرؐ — جن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اڑتی ہے لو چلتی ہے دن بھر — جھیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ ہے حدت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں پتے بھی درختوں میں نہیں ہیں

(۵) وہ لوں وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا — سردی میں ہو گر آ سکا تو آجائے پسینا
دشوار ہے اس دھوپ میں معصوموں کا جینا — ویرانہ ہے بستی میں اجڑتا ہے مدینا
حضرت بھی گھلے جاتے ہیں تشویش سفر سے
ہیں ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہیں گھر سے

برپا ہے مدینہ میں تلاطم کئی دن سے — ہے راحت و آرام طرب گم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شور تظلّم کئی دن سے — منھ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گزری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

؎ باد سموم ۱۲ ؎ فریاد کرنا کسی کے ظلم سے ۱۲

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے   کیا جانیے خط کوفے سے کس طرح کے آئے
روضہ پہ نبیؐ کے شہِ دیں رہنے نہ پائے   کچھ ایسا ہو یا رب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے   جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے   چھپ جائے گا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اُجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں   تاریک ہے دُنیا کسی غمگیں کی نظر میں
ہیں جمع محلے کی جو سب بیبیاں گھر میں   اک حشر ہے ناموسِ شہِ جن و بشر میں
سب بین کے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مرجاتا ہے کوئی

(۱۰)
سب کہتے ہیں زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا   کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا   وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لوں اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اب قصد یہ شبیرؑ چلے ہیں
بچّوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

منھ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا — آرام سے مادر کے کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا — لکھا تھا ابھی سن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائینگے ماں ہاتھ ملے گی

سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی — جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی خشک ہے پانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی — کس طرح جئیں گے اسداللہ کے جانی
تونسا ہوا بچہ کبھی جانبر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

ہے ہے ابھی چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے — کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے — رحم اپنے پہ لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو تو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرمائی تھیں زینب نے نہیں سنتیں کوئی چارا — قسمت میں لکھا ہی ہے تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑ کے جاتا ہے کسی کو بھی گوارا — مجبور ہے مضطر ہے یداللہ کا پیارا
ایام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں یاد ہیں بے بھائی کے دن ہیں

(۱۵) باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہ بحر و بر آئے — دیکھا رخ ہمشیر کو اور اشک بہائے

ماں بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے — روتے ہوئے تشریف شہ دیں وہیں لائے

بیٹی شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اٹھی

بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اٹھی

جلد اسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت — بیٹھو کہ ابھی اٹھنے کی تم میں نہیں طاقت

اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت — کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت

تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبراتے تھے صغرا

بیہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت تمھیں حق دے یہی بابا کی دعا ہے — اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے

اب یاد یہ بیماری ہے ایذا ہے بلا ہے — کیا جانیے شبیر کی تقدیر میں کیا ہے

دل جلتا ہے جب تپ میں تمھیں پاتا ہوں صغرا

اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغرا

ایسا سفر صعب[1] اور اسطرح کا بیمار — ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار

کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار — ہے زرد رخ از بسکہ حرارت سے تن زار

چہرے پہ کسی رنگ بحالی نہیں پاتا

سر تپ سے کبھی تکیے کو خالی نہیں پاتا

---

[1] صعب بالفتح دشوار، [illegible] صفحہ ۱۱

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت   تپ کی بھی ہے شدت کی تصویر نظر میں
بستر سے میں خود اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت   پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی سر میں
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے

یوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا   سب سہل ہے کچھ مجھکو نہیں ہونے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سید والا   میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

(۵) مر جاؤنگی بچھڑی جو شہ دوسرا سے   صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دعا سے
کٹ جائے گا اندوہِ سفر فضلِ خدا سے   بیمار ہی میں جان آئے گی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں روؤں گی نہ غم کھاؤنگی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں   اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر میں   قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر رو دے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغرا

دم چڑھتا ہے لو تجھ بیچیں ہوں مادر — ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
گھر میں ترتی گودی میں رہینگے علی اصغر — لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ — میں کہہ نہیں سکتا مجھے در پیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ — ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغرا

اے نور بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا — تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا — یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمہیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

(۳۰) تھوڑے سے ہی دنوں ہوگی تمہیں سے جدائی — پردیس سے آکر تمہیں لیجائینگے بھائی
کی مجھ سے مگر گردش قسمت نے برائی — ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفا
خوش ہوں گا تم اپنے دل پہ اگر جبر کرو گی
مر جاؤں گا جب میں تو تم کیا صبر کرو گی

ثابت ہوا صغراؑ پہ کہ اب ہم رہے گھر میں — بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں — صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
شکل اپنی شبِ ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تنِ زار کہ تپ آ گئی اُس کو

منھ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم — چتونوں سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موئے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہِ عالم — میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغراؑ
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغراؑ

صغراؑ نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار — سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار — اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں جائینگی وہ ہمراہ — کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ — سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
چھوڑے سے نہ اب خاطر مدارا کریں گے
میں قبر میں جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

(۳۴) کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مُردے کی طرح ہو گئی دشوار کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھُلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چُرا لیتا ہے مُنھ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیامِ اجل آیا ہے ہے مری راحت کی بِنا میں خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا کیا خوب مری نخلِ تمنّا میں پھل آیا
دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں لے ولے کُنبے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
بیمارِیِ مرض میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اُتر جائیگی یہ تپ ہاں درد بھی سر میں مرے ہوئیگا نہیں اب
ترٹپونگی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
کم ہو گی حرارتِ الم و رنج و محن میں
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن میں

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر　　چھاتی سے لگا کر اسے سمجھنے لگے شبیرؑ
تو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر　　منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
"اچھا" تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانوؑ کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ　　اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ　　روٹھی ہے بہن تم سے گلے اسکو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
پینے انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر　　کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغراؑ مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر　　محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پہ سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

پیارے مرے بھیا مرے مہرو علی اکبرؑ　　چھپ جائینگے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ　　ڈھونڈینگی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علی اکبرؑ
دل سینہ میں کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا　　صحت ہے جو ان میں کہاں پیر اُٹھانا
کیا ہوا جب آنا تو مری قبر پہ آنا　　ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہیں گر پیارہ پیاری
وہ راہ تمہاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے غم اسکا نہیں زنہار　　دھڑکا ہے کہ جب ہونگے عیاں موت کے آثار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رخ بیمار　　یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غمخوار

سانس اُکھڑے گی جسوقت تو فریاد کرونگی
میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کرونگی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان　　گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان　　صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
کُنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری　　اصغر مرا روتا ہے صدا سُن کے تمہاری　　(۱۰)
وہ کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری　　آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم چھوڑ کے نکلے ہو اور ساتھ بھی جا نہیں سکتی　　ہے ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی

جو دل میں ہے وہ لب پہ سخن لا نہیں سکتی　　رکھ لوں تمھیں اماں کو میں سمجھا نہیں سکتی

بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے

تم ہو سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار　　صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار

لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار　　جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخر

دنیا سے کوئی دم میں گذر جائے گی صغرا

تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا　　چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا

لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا　　اُٹھے شہِ دیں گھر تہ و بالا ہوا سارا

جس بی بی کو دیکھا سو وہ پُر غم نظر آئی

اک مجلسِ ماتم تھی کہ باہم نظر آئی

بیت الشرفِ خاص سے نکلے شہِ ابرار　　روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ

فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ تکرار　　پردے کی قناتوں سے خبردار خبر

باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے

شقہ کوئی کھل جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

(۵۵

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے — آتا ہو اِدھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے — دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف اُن کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباسؓ علی سے علی اکبرؓ نے کہا تب — ہیں قافلہ سالارِ حرم حضرتِ زینبؓ
پہلے ہوں وہ اسوار تو محمل میں چڑھیں سب — حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہراؓ کی جگہ بنتِ علیؓ ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہراؓ — ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردا — عباسؓ سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربیؐ پر

ہے قبر پہ نانا کے مقدم مجھے جانا — کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا — اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملتا ہوں ابھی قبرِ حسنؓ سے

روضۂ جناب رسول سے رخصت (٦٠)

پیدل شہِ دیں روضۂ احمدؐ کو سدھارے | تربت سے صدا آئی کہ آ میرے پیارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے | ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے

خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کوئی امن کی جا اب نہیں ملتی | راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کونسا اور کون سی ایذا نہیں ملتی | ہیں آپ جہاں اہ وہ ا صلا نہیں ملتی

پابند مصیبت ہوں گرفتار بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرف قبر چلا ہوں

میں اک تنِ تنہا ہوں ستمگر ہزاروں | اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں | اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں

واں جمع کئی شہر کے خونریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ | یاں قید کی ہے فکر وہاں قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں سر کے لیے اور کہیں تیر | خونریزی کو کعبے تلک آ پہنچے ہیں بے پیر

بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

فرما کے یہ رو دیا کیے شہ سر کو جھکائے
واں سے ہوا اٹھے تو فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
پائیں لحد گر کے بہت اشک بہائے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جائے

ہے شور ترے کوچ کا جب سے اس وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربت شبرؑ
اس قبر سے لپٹے یہ محبت شہ صفدر
چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر
حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر

قبروں بھی جدا ہیں تہ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لیجائے کہاں خاک ہماری

(۶۵)
یہ کہہ کے چلے قبر حسنؑ سے شہ مظلوم
رہوار جو منگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یاران وطن گرد تھے افسردہ و مغموم
چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم

خالی ہوا گھر آج رسول عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

تھا وا کہ بپا کر شہر کے اک شور قیامت
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جو کرتے تھے رخصت
پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت

آخر تو بچھڑ کر یہ فردوس ملیں گے
منزل میں جو پہنچو تو ہم اور کبھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں اُنھیں دیدے کے کہا شہ نے کہ جاؤ — تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ — بچھڑنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اُس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے — جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے — عابد طرفِ خانۂ اللہ سدھارے
اُترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

مکّہ سے روانگی

یشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے — مکّہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
لک جھک کے ملے سبطِ پیمبر غربا سے — آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے

خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؓ کے
سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبیؐ کے

یہ میں مدینہ سے تھے یہ سوچ کے آئے — تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے
مدکے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے — سو واں بھی یہ تھا خوف کہ حج کرنے نہ پائے

اللہ نے پیدا کیا کعبہ میں علیؓ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو

طر تھے شبِ ہشتم ذی حجہ کو شبیرؓ — تھا قصد ہمیں کہ سوئے کوفہ ہوں رہگیر
نے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر — اب یاں سے کہاں دیکھیے لیجاتی ہے تقدیر

پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا
اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

حضرت محمد بن حنفیہؓ کا عرض کرنا

تھے سبطِ نبی کوچ کی تدبیر میں اس رات — کی آکے جو ابنِ حنفیہؓ نے ملاقات
بھائی سے بغلگیر ہوے شاہِ خوش اوقات — کی عرض محمدؐ نے کہ اے قبلۂ حاجات

کوفہ کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہے
مکّہ میں مکیں ہو کہ بزرگوں کا نشاں ہے

حق آپ کا سایہ رکھے ہم لوگوں کے سر پر — ہیں آپ ہی اب وارثِ ذرّیتِ حیدر
کعبہ سے اُدھر آپ کا جانا نہیں بہتر — اندیشہ ہے کچھ رنج نہ پہنچائیں ستمگر

اُن لوگوں میں مطلق نہ حمیّت نہ حیا ہے
ظاہر میں طرفدار ہیں طینت میں دغا ہے

حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ پیمبرؐ — تم چار بزرگوں کی نشانی ہو برادر
حضرت ہی کے رہنے سے مدینہ ہے منوّر — سُن سُن کے فروغ آپ کا جلتے ہیں ستمگر

اس شمع کو بھی گُل نہ کریں مجھ کو یہ غم ہے
اب پنجتنِ پاک میں حضرت ہی کا دم ہے

حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانہ — بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہے زمانہ — اب تو ہے مدینہ میں نہ مکّے میں ٹھکانا

حاسد ہے کوئی درپئے آزار ہے کوئی
حامی ہے نہ کوئی نہ مددگار ہے کوئی

کرتا نہ سفر گر مجھے کوئی نہ ستاتا　　باہر کبھی روضہ سے محمدؐ کے نہ جاتا
مرقد سے بزرگوں کے مقدر سے چھڑاتا　　میں کیا کروں بھائی مجھے کچھ بن نہیں آتا

بے دینوں کو جینا مرا منظور نہیں ہے
ہو جاؤں یہیں قتل تو کچھ دور نہیں ہے

ابنِ حنفیہؓ نے کہا تب یہ بہ سماجت　　گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت
واں آپکے والد کی ہے شیعوں کی سکونت　　وہ لوگ ہیں سب اہلِ وفا اہلِ مروت

کھینچے گا سر فراز تو قدموں پہ گریں گے
پھر جائے زمانہ نہ وہ حضرت سے پھریں گے

بالفرض یمن میں بھی جو آرام نہ پاؤ　　شہروں سے کنارہ کرو جنگل کو بساؤ
تکلیف بیاباں میں سہو رنج اٹھاؤ　　پر بہرِ خدا کوفہ کی سرحد میں نہ جاؤ

بچوں پہ کرو رحم کہ چھوٹے ابھی سن ہیں
اس راہ میں پانی ہے کم اور گرمی کے دن ہیں

فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا　　چھوٹے گی نہ اہل ساتھ نہ زہراؑ کے پسر کا
اب دھیان ہے شبیرؑ کو بچوں کا نہ گھر کا　　اب کا یہ سفر مجھکو وسیلہ ہے ظفر کا

گر کوچ سوئے کوفہ نہ ہوئے گا برادر
پھر کون مری قبر میں سوئے گا برادر

(۸۰) یہ سن کے محمدؐ نے کیا اور بھی اصرار — جھک جھک گئے قدموں پہ برادر کے کئی بار
شہ نے کہا اسباب تو ہے کوچ کا تیار — پھر جانے نہ جانے میں کروں مشورہ یکبار
جانا ہے تو ایذا کو بھی سہ جائے گا شبیرؑ
رہنا ہے مقدر میں تو رہ جائے گا شبیرؑ

گھر اپنے محمدؐ تو گئے سن کے یہ گفتار — گذری جو وہ شب صبح کے پیدا ہوئے آثار
حضرت نے کیا حکم کہ اونٹوں کو کرو بار — نقارہ ہوا کوچ کا سب ہو گئے تیار
تھا شور کہ اب دیکھیے کب آتے ہیں شبیرؑ
کعبے سے مع اہل حرم جاتے ہیں شبیرؑ

چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبط پیمبرؐ — فریاد سوئے کعبہ کی یہ ہاتھ اٹھا کر
چھٹتا ہوں ترے گھر سے میں اے خالق اکبر — اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسر
پاس آن کے در سے جو ترے دور چلا ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

اے رکن و مقام اب ہے مرا کوچ یہاں سے — چھٹتا ہے کہیں خالق اکبر کے مکاں سے
اس دشت میں مشتاق قضا جاتا ہوں یہیں سے — ٹکڑے مجھے ہونا ہے جہاں تیغ و سناں سے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
راضی ہوں خداوند دو عالم کی رضا پر

کعبہ سے رخصت

اس راہ میں اب مجھکو توقف کی نہیں تاب — رخصت ہے مری اے حجرہ و منبر و محراب
دل غم سے بھرا آتا ہے اے زمزم و میزاب — دریا پہ لعین ذبح کرینگے مجھے بے آب
اک جام دم تشنہ دہانی نہ ملے گا
چاہیں گے کنوؤں سے بھی تو پانی نہ ملے گا

(۸۵)
اے کوہ صفا دل ہے مکدر ترے غم سے — صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگ الم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے — قسمت لیے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
سب لعل مرے گرد غریبی سے اٹھیں گے
گرمی کے یہ دن بچوں پہ سختی سے کٹیں گے

پھر قبر محمد کی طرف پڑھ کے زیارت — کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رخصت
کعبہ میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت — آزار پہ باندھے ہیں کمر اہل ضلالت
مخفی ہوے ہیں قافلۂ حاج میں آ کے
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے

ملجا ہے نہ ماوا ہے نہ مامن نہ مفر ہے — غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
تلواریں ہیں جلادوں کی اور اک مرا سر ہے — رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
توڑیں انہیں گر پھول بھی پائیں مری بو کے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

دُنیا میں ہیں جو امن کے گھر یا شہِ ابرار — اک خانۂ حق ایک درِ احمدِ مختار
ہے خوف یہاں آکے جو مخفی ہو گنہگار — کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اُسکو گرفتار
یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لیے امن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

حاکم نے مدینہ کے اُدھر مجھکو ستایا — میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
جلادوں سے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا — میں دھوپ میں ہوں جب سے اُٹھا آپکا سایا
حج بھی نہ میسّر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

(۹۰) فریاد ہے راحت مرے مولا نہیں ملتی — اک خیمہ بپا کرنے کو بھی جا نہیں ملتی
اب راہ بیاباں کی بھی اصلا نہیں ملتی — دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی
راحت مری اُمت ہی کو منظور نہیں ہے
سچ ہے کبھی نہ دیں مجھکو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ کہہ کے بڑھا پاشہِ مظلوم نے رہوار — [illegible] ابنِ حنفیہ بدلِ زار
قدموں سے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار — [illegible] کے جانے کا سبب [illegible] اظہار
ہمیں سمجھا تھا شب کو کہ ٹھہر جاؤ گے مولا
کیا آج ہی بیکس ہمیں کر جاؤ گے مولا ؟

لپٹا کے گلے بھائی کو رونے لگے حضرت　　فرمایا کہ تھا رات تلک قصد اقامت
لیکن مجھے نیند آ گئی جب تم ہوئے رخصت　　رویا میں میسر ہوئی نانا کی زیارت
تھا اشکوں سے تر چہرۂ گلرو سے محمدؐ
آلودہ تھے سب خاک میں گیسوے محمدؐ

رو کر یہ کہا میں نے کہ اے شاہ خوش اقبال　　بندہ تو ہے آفت میں یہ کیا آپ کا ہے حال
فرمایا میں صدقے ترے اے فاطمہؑ کے لال　　کھیتی کو مری دشمن دیں کرتے ہیں پامال
راحت کا محمدؐ کے سر انجام کہاں ہے
جب تو ہوا بے چین تو آرام کہاں ہے

آلودہ جو ہیں خاک سے گیسو مرے سارے　　میں تیری لحد کھودتا تھا اے مرے پیارے
رویا ہوں تری پیاس پہ دریا کے کنارے　　جا جلد کہ حق نے ترے سب کام سنوارے
اب تو مرے پاس آنے کا کچھ دیر نہیں ہے
جن رتبوں کا وعدہ تھا وہ ہنگام قریب ہے

ہے تیری شہادت ترے معشوق کو منظور　　تا عاشق صادق رہے تو خلق میں مشہور
حیدرؑ کی طرح ہے ترا دل صبر سے معمور　　تجھ سے بھی وہ ہوگا جو کسی کا نہیں مقدور
ہے قول کا صادق تری کیا بات ہے بیٹا
عزت مری امت کی ترے ہاتھ ہے بیٹا

منہ پیٹ لیا سُن کے محمدؐ نے یہ تقریر — رو رو کے کہا گر یہی ہے خواہش تقدیر
ناموس کو چھوڑو یہیں اے حضرت شبیرؑ — حرمت سے حرم میں رہے تا صاحب تطہیر
پردیس میں کیا جانیے کیا جور و جفا ہو
ڈر ہے کہیں زینبؑ نہ گرفتار بلا ہو

زینبؑ کی اسیری کا سخن سنتے ہی یکبار — تھرا گیا دل رونے لگے سید ابرار
سُنتی تھی یہ تقریر جو سب زینبؑ ناچار — محمل سے محمدؐ کو پکاری یہ دل زار
کی تم نے سفارش مری کیا آہ برادر
بھائی سے چھڑاتے ہو مجھے واہ برادر

رہنے کی نہیں حیدرؑ کرار کی جائی — بھائی کے لیے ماں کی لحد چھوڑ کے آئی
نانا کے بھی روضہ سے ہوئی مجھ کو جدائی — مر جاؤں گی چھوٹے گا جو مجھ سے مرا بھائی
ہمراہ میں کاٹوں گی مصیبت کے سفر کو
تنہا نہیں چھوڑوں گی محمدؐ کے جگر کو

اب گھر سے ہے مطلب نہ مدینے سے مجھے کام — وہ شہر ہے جب ساتھ نہیں ہو شہؑ گل اندام
میں یاں نہ رہوں گی مرے بھائی کا نہ الزام — بھائی مجھے معلوم ہے اس کوچ کا انجام
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ ان کا دیا ہے
اماں نے مجھے بھائی کے ہمراہ کیا ہے

یہ کہہ کے جو روئی اسداللہؑ کی پیاری — ابنِ حنفیہؓ کے بھی آنسو ہوئے جاری (۱۰۰)

حضرت نے کہا بھائی سے باگریۂ و زاری — بہنیں مری قیدی ہوں یہ ہے مرضی باری

کٹ کر سرِ شبیرؑ کا نیزے پہ علم ہو

پیچھے کھلے سر قافلۂ اہلِ حرم ہو

یہ سب تو مرے ساتھ ہیں آفت کے سفر میں — پر فاطمہؑ صغرا کو میں چھوڑ آیا ہوں گھر میں

ہے اسکی جدائی سے بہت درد جگر میں — ڈر ہے کہیں مر جائے نہ وہ ہجر پدر میں

روئے تو مرے سر کی قسم دیکھیو بھائی

بیمار کو چھاتی سے لگا لیجیو بھائی

صغراؓ کا سنا نام تو بانوؓ یہ پکاری — کہہ دیجیو کہ مادر تمھیں بھولی نہیں پیاری

بہنوں کو بھی ہے آٹھ پہر یاد تمھاری — اصغرؑ مری گودی میں کیا کرتا ہے زاری

راتوں کو ترے غم میں نہیں سوتی ہے کبرا

جب ذکر ترا آتا ہے تب روتی ہے کبرا

ماں صدقے نہ تم آپ کو کُڑھ کُڑھ کے گھلانا — ہمجولیوں کو پاس محلے سے بلانا

بابا کے لیے چھوڑ نہ دیجیو کہیں کھانا — روٹھوں گی اگر میرا کہا تم نے نہ مانا

ایّام جدائی بھی گذر جائیں گے بیٹی

اللہ جو پھیرے گا تو پھر آئیں گے بیٹی

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر　　چھاتی سے لگا بھائی کو رخصت ہوئے شبیر

تھا حاجیوں میں غل کہ زہے عزت و توقیر　　کس شان سے خاصانِ خدا ہوتے ہیں [illegible]

کیا نور ہے چہرے پہ ہر اک غنچہ دہن کے

یہ پھول ہیں سب فاطمہ زہرا کے چمن کے

ہر سمت سے جوں جوں یہ بیاں کرتی تھی خلقت　　گھوڑے پہ چلے جاتے تھے روتے ہوئے حضرت

ہر ایک سے فرماتے تھے یہ تھام کے رقت　　تم سب بھی شبیر کی ہے آخری رخصت

اپنوں سے چھٹا، حال نہ کیوں غیر ہو میرا

مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

راستہ

یہ کہہ کے روانہ ہوا وہ خاصۂ باری — گویا کہ بیاباں میں چلی باد بہاری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری — فیاض نے صحرا کی بھی کی کاربراری
مہکے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
نافے لیے جھولی میں نسیم ختن آئی

اونٹوں کو بھی تھا وجد حدی خوانی صدا سے — گھوڑے بھی تراروں میں کچھ آگے تھے ہوا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یاد خدا سے — صاف آتی تھی تکبیر کی آواز درا سے
صحرا تھا وہم طرکہ دامن تھا جبل کا
غل ہوتا تھا اک حیّ علیٰ خیر عمل کا

جس دشت میں اس سرو رواں کے قدم آئے — پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امام امم آئے — جس طرح برستا ہوا ابر کرم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

سب کہتے تھے لے احمدؐ مختار کے جائیے — کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا ادھر

فرماتے تھے شبیرؑ کہ ہم رہنے نہ پائیے — یوں کوئی مسلماں نہ مسلماں کو

تیاری تیغ و تبر و تیر ہوئی ہے

تدبیر گرفتاری شبیرؑ ہوئی ہے

(۱۱۰) گر دست ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار — چلتی حرم حضرت معبود میں

بگڑے تھے خبر سنتے ہی عباسؑ خوش اطوار — باندھے رہے تا صبح سپر شام سے

بپھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رکتے

تم سمجھے نہ یہ قافلۂ حاج سے رکتے

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد — حرمت حرم کعبہ کی ہو جائے

گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہؑ کی اولاد — حاضر تھا میں گر سر بھی مرا کٹ

پہلے جو فساد آہ ادھر سے نہ نکلتا

مر کر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

کس کو نہیں معلوم یہ چرخ مقرنس — مولد مرے بابا کا ہے یہ خانہ

فرصت نہ ملی حج کی ہیں ایسا ہوا بے بس — مقدور ہے جیسا بھی نہ ہوگا کوئی

تیغوں سے نہ ملتی انہیں مہلت کوئی دم کی

واللہ مجھے یاں تھا حرمت کا حرم کی

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی — قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
بندوں کو سرافراز کریں سرور عالی — مہماں ہوں غریبوں کے یہ انصار و موالی
فخر اس کا ہے رخ آپ کا جس دہ کی طرف ہو
عزت ہو جو مردوں کی تو بندوں کا شرف ہو

سرسبز زراعت بھی ہے جھیلیں بھی ہیں پرآب — میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے اسباب — باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں مریں گے
ہم جان بھی دیدینے میں صرفہ نہ کریں گے

فرماتے تھے حضرت تمہیں خالق رکھے آباد — دنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد (۱۱۵)
کیا اپنی تباہی کہوں ہیں بیکس و ناشاد — رو دو گے مفصل جو سنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے تیغ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

جائے کوئی کس سمت یہ مظلوم مسافر — منزل جو ازل سے ہے معین مرے خاطر
بستی ہو کہ جنگل ہو رہا قید ہو یا گھر — آتا ہے محرم یہ مہینہ بھی ہے آخر
کھل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبط نبی پر
قصہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی پر

ہر چند کہ یوں چلتی ہے اُٹھتے ہیں بگولے　　اشجار خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
بڑھ جاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھولے　　تم لوگوں کی بستی نہیں اُلفت کہ جو بھولے
موت آئی تو بر میں کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آ کے رہیں گے

ان سب سے یہ فرما کے چلے سیّدِ ابرار　　روتے ہوئے بستی میں گئے اپنے وہ دلدار
پھر تھے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار　　بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار
گرمی تھی کہ جلتے نخل بھی سوکھے ہوئے بن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں　　وہ دھوپ کی شدت تھی کہ جلتی تھیں نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے سے جو چاہیں　　اُٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منھ شیروں کے
ثابت تھا کہ ذرہ شیشہ ہوا سہتے سروں کے

(۱۲۰) چہروں پہ جوانانِ علیؑ رو کے تھے ڈھالیں　　آڑ تھی سناں نیزوں کی جھکتی ہوئی بھالیں
گرمی سے وہ کیونکر نہ زبانوں کو نکالیں　　دھوپ آپ ہی سایہ بھی سپر سے جو بنا لیں
اللہ ری تب و تاب بیابانِ بلا کی
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا گرمی سے ہوا کی

مختفی تھے شجر شدت گرما سے حجر میں — جلتی تھی یہ لوں آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نے بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں — جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے — ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے — دھڑکا تھا کہ یوں کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لبِ لعل سکینہؑ کے عطش سے

بھرتا تھا دمِ سرد پریشاں کوئی ہو کے — دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لوں سے ردا چہرے پہ رو کے — رکھ لیتا تھا سر پہ کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو ہٹا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

غربت کی جفائیں جو نہیں سہتے ہوے ولیؑ — طے راہِ خدا کرتے تھے شبیرؑ خوش اوقات
ہو جاتی تھی جس مرد مسافر سے ملاقات — گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ باتؑ
ٹھہر نہیں سکتا کہ سر راہ سے بھائی
کوفے کی خبر بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

(۱۲۵) وہ کہتا تھا کوفے میں عجب غدر ہے مولا — ہر سمت ہیں فتنے تو فساد اٹھتے ہیں ہر جا
دور انکا ہے کچھ جنکو مروت نہیں اصلا — ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا
بے جرم ستاتے ہیں محبانِ علیؓ کو
غل ہے کہ چھپا لے نہ کوئی گھر میں کسی کو

اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر — ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے یہ کیسی
باغات میں کوفے کے پڑے ہیں کئی لشکر — ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر
تیغیں بھی چمکتی ہیں سنانیں بھی تبر بھی
رخ ایک رسالے کا تو دیکھا ہے ادھر بھی

جوں جوں یہ بیاں کرتا تھا وہ مردِ مسافر — خاموش کھڑے سنتے تھے سب یاور و ناصر
منہ بھائی کا تکتے تھے شہ صابر و شاکر — وہ عرض یہ کرتے تھے کہ سب حال ہے ظاہر
کچھ شبہ نہ ہے اسمیں نہ تشکیک ہے مولا
جو کہتا ہے رہرو وہ خبر ٹھیک ہے مولا

بھر کر نفسِ سرد بڑھے شاہِ فلک جاہ — جلتا تھا جگر قلب پہ تھا صدمۂ جانکاہ
مشہور ہے یہ عمر سفر ہوتی ہے کوتاہ — پر کٹتی تھی حضرت پہ عجب رنج سے راہ
منزل پہ بھی کچھ نوش نہ فرماتے تھے شبیرؑ
تشویش تھی ایسی کہ گھلے جاتے تھے شبیرؑ

دم بھر کہیں دم لے لیا جب دوپہر آئی   راہی ہوئے پھر دھوپ جو بالائے سر آئی
لیکن کہیں راحت کی نہ صورت نظر آئی   جب آئی خبر راہ میں وحشت اثر آئی
مشتاق تھے جسکے خبر آئی کہ موا وہ
جس دوست کو پوچھا یہ سنا قتل ہوا وہ

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تباہیاں   آ پہنچی تھیں ہونٹوں پہ شہزادوں کی جانیں
سنولا سے ہوئے دھوپ میں منہ خشک زبانیں   اللہ کے جو نور ہیں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کون سی ایذا ہے جو در پہ نہیں ہوتی
بے خارِ الم راہ خدا طے نہیں ہوتی

جب منزلِ حاجز سے بڑھے سبط پیمبر   آئی یہ مفصل خبرِ مسلمؑ بے پر
دنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر   فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے سر
ماتم ہے کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
خندق میں تو لاش اسکی ہے سر قلعہ کے در پہ

رنگ اڑ گیا رخسار و لب تھرانے لگے شاہ   اشک آنکھوں سے برسا کئے کہا حمد اللہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ   برپا ہوئے خیمے میں اتر کے شہ ذیجاہ
لشکر پہ اداسی تھی غریب الغربا کے
سب روتے تھے رونے پہ امام دوسرا کے

فرماتے تھے شبیرؑ مسافر مرا بھائی — مقتول جفا صابر و شاکر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی — الفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلاشک نہیں پایا
قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا

اللہ ری مسلمؑ کے جگر بندوں کی زاری — ہوش آیا کبھی بار غش آیا کبھی بار
چلاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری — کوفے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
بھڑکی ہے وہ آتش جو جلاتی ہے جگر کو
دو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو

اُس قافلہ میں رونے کا اک شور ہوا جب — گھبرا گئے ناموس رسولِ عربی سب
غل پڑ گیا پردیسیوں کی خیر ہو یا رب — دوڑی گئی سر کھولے در خیمہ پہ بانوؑ
چلاتی تھی کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
کس کی خبر آئی ہے ارے کیا ہوا لوگو

اصغرؑ کو لیے کہتی تھی بانوؑ یہ دل افگار — میرا تو جگر منہ کو چلا آتا ہے
اے بیبیو صغراؑ کو تو چھوڑ آئی ہوں بیمار — یہ کیا ہے جو روتے ہیں [illegible]
ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو
کیا کچھ مری بچی کی خبر آئی ہے لوگو

زینبؑ کے قریں زوجہ مسلمؑ تھی کُھلے سر — کہتی تھی غضب ہو گیا اے شاہ کی خواہر
چلتی ہے چھُری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر — میں رانڈ ہوئی لُٹ گیا کوفے میں مرا گھر
دو بچوں کے دُنیا سے گزرنے کی خبر ہے
یہ ایلچیِ شاہ کے مرنے کی خبر ہے

یہ غُل تھا کہ حضرت نے کہا خیمے میں آکر — اے بیبیو بیٹھو صفِ ماتم کو بچھا کر
مسلمؑ سوئے فردوس گئے برچھیاں کھا کر — مارا ستم ایجادوں نے تنہا اُنھیں پا کر
کوفے میں سرِ پاک اُتارا گیا تن سے
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

جسوقت یہ خیمہ میں غضب کی خبر آئی — ناموسِ محمدؐ میں قیامت نظر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کے چادر اُتر آئی — واں کوئی گری بیٹھتی کوئی ادھر آئی
کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر
سب پیٹتے تھے دخترِ مسلمؑ کے بیاں پر

(۱۴۰) وہ بین نبیؐ زادیوں کے اور وہ ماتم — مقتول کی بیوہ کو غش آجاتا تھا ہر دم
پردیس میں یہ وہ تازہ مصیبت وہ بپا غم — ماتم میں رہے تین دن اُس جا شہِ عالم
فرصت نہ ملی نالہ و فریاد و فغاں سے
بھائی کا سوم کر کے روانہ ہوئے واں سے

ہمراہیوں کا فرار

مسلمؑ کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر　　چھپ چھپ کے اسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
یا تھے کہیں خیمے کہیں پالیں کہیں بستر　　یا تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تا شام تو سب یاور سلطان زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح تو ہفتاد و دو تن تھے

اُکھڑے جو وہاں سے بھی خیام شہ عالم　　خدام سے ارشاد کیا آپ نے اُس دم
بچوں کی ہمیں فکر ہے اپنا نہیں کچھ غم　　اس منزل پُر ہول میں پانی ہے بہت کم
شتر ہیں جو سیراب اُنھیں اونٹوں پہ دھر لو
جو مشکیں کھالیں ہیں وہ سب پانی سے بھر لو

یہ سُن کے ہر اک ظرف میں سقوں نے بھرا آب　　راہی ہوا اُس بن سے نبی کا گُل شاداب
گرمی تھی یہ اُس دن کہ کسی دل کو نہ تھی تاب　　تھا شعلہ فشاں شمس میں خورشید جہاں تاب
یوں چل رہی تھی رنگ بھی سونلائے ہوئے تھے
جنگل میں گل فاطمہؑ کُمھلائے ہوئے تھے

حر سے ملاقات

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر　　جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
اُس شخص سے فرمانے لگے حضرت شبیرؑ　　بتلا سبب اس ذکر کا اے صاحب توقیر
کی عرض قریب آ کے شہ عرش نشیں کے
وہ نخل نظر آتے ہیں کوفہ کی زمیں کے

(۱۳۵)

اوروں نے یہ کی عرض کہ اے دلبرِ زہراؑ حُر سے کے یہاں نخل تو دیکھے نہیں اصلا
عباسؑ علمدار نے جب غور سے دیکھا کی عرض شہِ دیں سے کہ فوج آتی ہے مولا

کیا جانیے انبوہ ہے یا پنبۂ نفس ہیں
نوکیں یہ سنانوں کی ہیں یا گوشِ فرس ہیں

شبیرؑ نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو بھائی یہ فوج ہمارے لیے کوفے سے ہے آئی
ماتم میں کئی روز سے راحت نہیں پائی کیا دور ہے گر ہو ابھی جنگل میں لڑائی

سرکش ہیں ارادہ نہ کریں بے ادبی کا
خیمہ کہیں برپا کرو ناموسِ نبیؐ کا

یہ کہہ کے بڑھے داہنی طرف سبطِ پیمبرؐ برپا کیا نزدیکِ جبل خیمۂ اطہر
پہنچے تھے حرم خیموں میں ناقوں سے اُتر کر جو آ گیا نزدیک ستمگاروں کا لشکر

سر تا قدم آہن میں ستمگار نہاں تھے
سب ایک ہزار اُن میں زرہ پوش جواں تھے

آنے لگے حضرت کی طرف جب سپہ شامی عباسؑ نے فرمایا کہ بڑھیو نہ خبردار
برپا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہِ ابرار آئین ادب سے تمہیں بہرہ نہیں زنہار

کچھ عرض جو کرنی ہو تو کر لیجو ٹھہر کر
سردار جو آئے بھی تو گھوڑے سے اُتر کر

بیخوف چلے آتے ہو یاگوں کو اٹھائے — کیا ہو جو ادھر سے بھی کوئی آنکھ دکھا
پیغام ہو کچھ یا ہو عریضہ کوئی لائے — تم سب ہیں جو فہمیدہ و عاقل ہو وہ آ
گر بے ادب آؤ گے تو جانا نہ ملے گا
ہتھیار بھی باندھے ہوئے آنا نہ ملے گا

۱۵۰

نہ عرض نہ معروض نہ تسلیم نہ پیغام — ٹھہرو وہیں بس بد ہے اس آغاز کا انجا
کیا فوج یہاں کوفے کی اور کیا سپہ شام — گیتی کو الٹ دیں جو بڑھیں تول کے
جنگل میں وہ اترا ہے جو مختار زمیں ہے
شیروں کا یہ بیشہ ہے خبر تم کو نہیں ہے

جنگل میں جو گونجا اسدِ بیشۂ حیدرؓ — دل ہلنے لگے سینوں میں سب تھم گئے
کس پیار سے شبیرؑ پکارے کہ برادر — پوچھو تو ذرا کون ہے سرکردہ لشکر
آتے ہیں ملاقات کو یا قصدِ وغا ہے
مجھ پر بھی تو ظاہر ہو کہ منظور کیا ہے

یہ سن کے پکارا اسد اللہؑ کا ضرغام[1] — تم لوگوں میں سردار ہے کون اے
خود جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام — سردار ہوں اس فوج کا میں حُر ہے
دعوائے غلامی ہے مجھے آلِ نبیؐ سے
اب عفو ہو مجھ سے جو ہوں اس بے ادبی سے

[1] ضرغام بالکسر شیر درندہ

حاکم کا یہ جنگی ہے رسالہ مرے ہمراہ — جانے دو ہمیں وقت ہے تم سے ہیں آگاہ
بس غیظ نہ فرمائیے بہر شہ ذیجاہ — اب بے اجازت نہ بڑھے گا کوئی واللہ

ہے عفو و ترحم کا رواج آپ کے گھر سے
تقصیر بھی ہو جاتی ہے دنیا میں بشر سے

جب حر نے بصد عجز یہ تقریر سنائی — شہ بولے مرے سر کی قسم اے مرے بھائی
جس وقت اجازت حر دیندار نے پائی — خود بھی بادب آگے بڑھا فوج بھی آئی

دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو
مجرا کیا صف باندھ کے سلطان امم کو

مضطر جو دیکھا تو فرمانے لگے شاہ خوش اقبال — کیا وجہ جو تم لوگ ہو سب مضطر الحال
تب عرض یہ کی حر نے کہ اے فاطمہ کے لال — بیتاب ہیں سب مارے پیاس کے تمثال

آہوں کا دھواں اٹھتا ہے پیاسوں کے جگر سے
قطرہ نہیں پانی کا ملا تین پہر سے

یہ سنتے ہی بیتاب ہوئے سبط پیمبر — دیکھا رخ عباس کو اشک آنکھوں میں بھر کر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر — جو ساتھ ہے پانی ابھی منگواؤ برادر

بجھتا مگر اب کھولیو پیاس انکی بجھا کے
میں کانپ رہا ہوں کہ یہ شہ سے ہیں لڑ کے

[illegible]ھر نے یہ کی عرض کہ اے شاہزادۂ ور بھیجا ہے مجھے حاکم کوفہ نے یہ کہکر
[illegible]ہیں جہاں تم کو ملیں سبطِ پیمبرؐ تو ساتھ سے انکے نہ جدا ہو کبھی دم بھر
شبیرؑ سے لو کچھ سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

[illegible]ت نے کہا پھر تجھے کیا اسمیں ہے منظور کی عرض کہ حاکم کے میں ہوں حکم سے مجبور
[illegible]رخ ہوا غیظ سے شہ کا رخِ پرنور فرمایا کہ روکے مجھے یہ کس کا ہے مقدور
کیا ہوتا ہے دم بھر میں ذرا روک تو ہم کو
لے ہم ابھی جاتے ہیں ذرا روک تو ہم کو

[illegible]ج کے منت سے ساجت سے بلانا جب آئے تو یہ مکر یہ کید اور یہ بہانا
[illegible]ہل ہے اس فوج میں گھر کر مرا جانا تلوار جو پکڑوں تو الٹ جائے زمانا
رگ رگ میں مرے زور ہے خالق کے ولی کا
میں اور نہیں ہوں کوئی بیٹا ہوں علیؑ کا

[illegible]ں ہے میں جانے نہ جانے کا ہوں مختار کیا سمجھا ہے قیدی مجھے او ظالم غدار
[illegible]س کہ سلامت ہے یہ ہاتھ اور یہ تلوار قبضے کا نہیں تحت دل [illegible]
بیکس ہوں مسافر ہوں پریشان و حزیں ہوں
کچھ حاکم کوفہ کا [illegible] نہیں ہوں

چپکے سے پن قت ... کی ...
...
اسوہ کچھ ایسا ...
ست تو دیے
ست تو دیجے

دانتوں میں زبا ...
تھوڑوں کو آگ ...
... گے
... توڑیں گے

ذرا کے ... ت
شفق
... گے
... گے

سوئے ...
چرلے ...
... عاشق ربا
... باشبا

نعرہ کیا ابن اسد اللہؓ نے بڑھ کر — کون آتا ہے تیلا نہیں موت آتی ہے سر پر
تھرا کے بڑھا ہاتھوں کو جوڑے وہ دلاور — کی عرض کہ میں حُر ہوں غلام شہ صفدر
کر دیجیے خبر ابن شہنشاہ عرب کو
کچھ عرض ضروری ہے کہ میں آیا ہوں شہ کو

فرمایا کہ آنے کا ہے یہ کون سا ہنگام — آرام میں ہے فاطمہ زہراؑ کا دل آرام
کی عرض کہ یا حضرت عباسؑ خوش انجام — لے دیجیے جا کر در دولت پہ مرا نام
قسمت میں اگر ہے تو شرف پائے گا خادم
حضرت نہ بلائیں گے چلا جائے گا خادم

عباسؑ اُسے ساتھ لیے ڈیوڑھی پہ آئے — خیمے میں گئے اور سخن لب پہ یہ لائے
حُر آیا ہے اے حیدر کرار کے جانے — ارشاد اگر ہو تو رضا آنے کی پائے
فرمایا کہ بے مکر و شر آتا ہے بلاؤ
گمراہ تھا اب راہ پر آتا ہے بلاؤ

خود آ کے اُسے لے گئے عباسؑ دلاور — مجرا کیا حُر نے سر تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدم سبط پیمبرؐ — کی عرض کہ بیتاب ہوں اے شاہ فلک فر
فوجیں لیے آتا ہے یہ شمر و عمر آئے
کیوں اپنا وطن چھوڑ کے حضرت ادھر آئے

ہوتی ہے مہینوں سے وہاں قتل کی تدبیر — تلواریں ہیں یا برچھیاں ہیں یا تبر و تیر
ہر وقت چلی جاتی ہے تحریر پہ تحریر — شہروں سے ہے فوجوں کی طلب یا شہ دلگیر
بدکار ہیں لاکھوں اگر اک نیک ہے مولا
فوجوں کے سبب کوفہ و شام ایک ہے مولا

اترے ہیں پہاڑ و دشت میں قشون عرب و روم — ہے چار طرف قتل پسر فاطمہؑ کی دھوم
راہیں بھی ہیں سب بند سمجھیے خوب ہے معلوم — سرکردہ افواج ستم ہے عمر شوم
ایسا نہ ہو جلاد وہیں گھر جائیے مولا
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں پھر جائیے مولا

۱۶۰ سب سن کے یہ لشکر کی فرمایا شہ ابرار — بہتر ہے اسیوقت اگر ہو جئیں اسوار
فرمایا کدھر جاؤں میں اے حر وفادار — جو ہوئے سو ہو اب تو ہوں آفت میں گرفتار
منظور جسے ہو مرا سر کاٹ لے تن سے
مرنے کے ارادے سے تو آیا ہوں وطن سے

تقدیر سے کچھ زور نہ کچھ موت سے چارا — مرنا ہے جو غربت میں تو کیا زور ہمارا
کی عرض یہ حر نے کہ بجا ہے یہ اشارا — مولا مگر آفت سے مناسب ہے کنارا
گو فوج نہ تھوڑی ہے نہ خونخوار کم ہیں
میں اس لیے کہتا ہوں کہ ساتھ اہل حرم ہیں

کچھ سوچ کے فرمانے لگے سبط پیمبر
اسے دوست یہی رائے تری ہے تو ہے بہتر
جائیں گے جدھر ساعت اجل ہوگی مقدر
دیکھیں ہمیں پہنچاتی ہے تقدیر کدھر
کسکو خبر اسکی ہے کہاں قبر بنے گی
پر ہوگی وہیں صبح جہاں قبر بنے گی

روتا ہوا رخصت ہوا شہر سے جو سردار
راہی ہوئے صحرا کو وہاں سے شہ ابرار
وہ دشت پرآشوب کی وحشت وہ شب تار
پیڑ کہیں بن ہیں کہیں پتھر تو کہیں غار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

حیران و پریشاں تھا وہ سب لشکر شاہی
اسوار پہ آفت تھی پیادوں پہ تباہی
ملتی تھی نہ بستی نظر آتا تھا نہ راہی
گویا شب ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
کڑیاں شہ ذیجاہ پہ یوں راہ میں گذریں
جسطرح کہ یوسف پہ شبیں چاہ میں گذریں

(۱۸۰) یوں دشت میں پھرتے تھے وہ دلگیر پیارے
جسطرح کریں سیر شب تار میں تارے
ماندے ہوئے رہوار بھی سب پیاس کے مارے
سادات نے دو دو پہر آفت میں گذارے
گردش میں کٹی رات ولی ابن ولی کی
مقتل میں ہوئی صبح حسینؑ ابن علیؑ کی

لکھا ہے فرس آپ نے بدلے کئی اک بار — اس دشت میں لیکن نہ بڑھا ایک بھی ہوا
گھبرا کے یہ کہنے لگے عباسؑ علمدار — یہ تو فرسِ خاص ہے یا سیدِ ابرار
اُڑتے اسے دیکھا ہے پہ چمٹے نہیں دیکھا
سو کوس کے دھاوے میں بھی تھمتے نہیں دیکھا

اس ہاتھ سے شہ نے لیا اُس ہاتھ میں کوڑا — غیرت سے عرق آ گیا تھرّا گیا گھوڑا
منھ شہ کی طرف اسپِ وفادار نے موڑا — کی عرض کہ خود میں نے یہ رستہ نہیں چھوڑا
مانا ہے صدا حکم شہنشاہِ اُمم کو
ناچار ہوں مولا کوئی تھامے ہے قدم کو

یہ سنتے ہی رہوار سے اُترے شہِ ابرار — فرمایا کہ زیں کھولدو اونٹوں کے یہیں بار
طالب تھا یہیں کا پسرِ حیدرِ کرار — عباسؑ سے فرمایا کہ اُترو مرے غمخوار
ہوئے گا مقام اب یہیں زہرا کے پسر کا
لو شکر کرو خاتمہ ہے آج سفر کا

کربلا میں تشریف آوری

جب طے کیا شہ نے سفرِ راہِ خدا کو　　منزل یہ قضا لائی غریب الغربا کو
اک عید ہوئی عاشقِ ربِّ دوسرا کو　　بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمیں کا
یاں سے چمن آتا ہے نظر خلدِ بریں کا

اے قافلہ والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے　　خیمے کرو برپا یہ اُترنے کی جگہ ہے　　۱۸۵
دینداروں کے یہ سر سے گذرنے کی جگہ ہے　　ہمت جو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہِ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہے جس میں مری خاک ملے گی

اُترے فرسِ خاص سے سجادِ شہِ لولاک　　تھرا کے زمیں زرد ہوئی اُڑنے لگی خاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رخِ پاک　　رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہؑ کے رونے کی آئی

جھوکوں سے ہوا کے جو اُڑے پردۂ محمل   سینوں میں اُچھلنے لگے سیدانیوں کے
زینبؑ نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل   آفات سے محفوظ رکھے خالقِ عا
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آجائے جہاز آلِ نبیؐ کا

اونٹوں سے نہ اُترا تھا ابھی خیمۂ حرم کا   صحرا سے ٹہلتے ہوئے دریا پہ گئے
تھے سارے عزیز و رفقا آپ کے ہمراہ   گرد اختر تابندہ تھے اور بیچ میں
صحرا پہ کبھی گاہ ترائی پہ نظر تھی
بیٹے پہ کبھی اور کبھی بھائی پہ نظر تھی

اکبرؑ تو یہ کہتے تھے کہ صحرا پہ ہے عالم   اپنی تو اسی سمت نظر پڑتی ہے
فرماتے تھے عباسؑ ترائی بھی نہیں کم   خیمہ کہیں ہو آن کے سوئیں گے ہم
گرمی کے ہیں دن سرد ہوا بھاتی ہے اکثر
شیروں کو ترائی ہی میں نیند آتی ہے اکثر

(۱۹۰) ہوتی تھی چچا اور بھتیجے میں یہ تقریر   منہ دیکھتے تھے دونوں کا اور
رنگِ رخِ عباسِ علیؑ ہو گیا تغیر   پوچھا سبب گریہ تو بولے شہ
دریا جو مرے سامنے لہراتا ہے بھائی
دل خود بخود اس وقت بھر آتا ہے بھائی

باتے تھے لڑائی یہ جو صفین کے صفدر — ہے خوب مجھے یاد یہیں اترا تھا لشکر
مغموم تھے اس روز بہت فاتح خیبر — جبتک رہے آنسو نہ تھما آنکھ سے دم بھر

کھایا تھا نہ کھانا نہ ذرا سوئے تھے بابا
تا دیر کھڑے ہو کے یہیں روئے تھے بابا

سب میں نے یہ کی عرض کہ اے سرور ذیشاں — کیا وجہ ہے بیتابی کی کیوں آپ ہیں گریاں
بٹھا کے مجھے چھاتی سے بولے شہِ مرداں — اے احمدِ مرسل کے پسر میں ترے قرباں

اکدن تو مرے بعد یہاں آئے گا شبیرؑ
عقدہ مرے اس رونے کا کھل جائیگا شبیرؑ

سب چھوٹے بڑے رونے لگے سن کے یہ گفتار — ہمشکل پیمبر نے کہا یا شہِ ابرار
خیمہ ہو کہاں اترے کجاوؤں سے کہاں بار — فرمانے لگا مصلحتاً شہ کا علمدار

کمسن کئی معصوم ہیں اور گرم ہوا ہے
برپا ہو لبِ نہر جو خیمہ تو بجا ہے

حضرت نے کہا یاں بھی خدا واں بھی خدا ہے — صحرا کو بھی دریا کو بھی اک روز فنا ہے
ہر چند کہ تدبیرِ حفاظت کی بجا ہے — پھر ہو گا وہی جو کہ مقدر میں لکھا ہے

دریا پہ اترنے کا سر انجام نہ کیجے
جس بات میں تکرار ہو وہ کام نہ کیجے

گذرا جو وہ دن عالمِ غربت کی ہوئی شام　　اکبار اذاں دینے لگے اکبرِ گلفام
مصروف عبادت میں ہوئے شاہِ خوش انجام　　طاعت کے لیے جمع ہوا لشکرِ اسلام
جوں دانۂ تسبیح برابر وہ جواں تھے
صف پیچھے تھی اور آگے امامِ دوجہاں تھے

فارغ جو فریضے سے ہوئے سیدِ ذیجاہ　　سجادۂ طاعت سے اٹھے خیمہ کی لی راہ
پہنچے جو سراپردۂ عصمت کے قریں شاہ　　رخصت ہوئے آداب بجا لا کے ہوا خواہ
داخل ہوئے حضرت حرمِ شاہِ نجف میں
اختر تو رہے ماہ گیا برجِ شرف میں

مسند کو شہِ دیں نے منور کیا جا کر　　لینے لگی بھائی کی بلائیں بہن آ کر
جا بیٹھی سکینہ بھی قدم جلد بڑھا کر　　کہنے لگی منہ شاہ کی چھاتی سے لگا کر
کس کس سے بلانے کے لیے میں نے کہا تھا
بابا تمہیں کب سے مرا دل ڈھونڈھ رہا تھا

زینب نے کہا شاہ سے با گریہ و زاری　　[illegible] بہن ہو گئی واری
منہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہر بار کئی بار　　گھبرائی تھی ڈر ڈر کے سکینہ مری پیاری
بانو کو بھی تشویش نے پامال کیا ہے
کچھ دودھ سے اصغر نے [illegible]

زینبؓ سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر　　کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیرؑ
اس دشت کا کیا حال سناؤں تمہیں ہمشیر　　کونین میں اس ارض مقدس کی ہے توقیر
گردوں سے ملائک کے اُترنے کی یہ جا ہے
تم کو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہے

یہ سُن کے اُڑا رنگ رخِ زینبؓ مضطر　　منہ پیٹ لیا چوب سے ٹکرانے لگی سر
حضرت نے کہا خیر ہے کیا کرتی ہو خواہر　　وہ بولی میں بے آس ہوئی ہائے مقدر
طفلی سے مجھے یاں کی مصیبت کی خبر ہے
اب مجھ پہ کھلا یہ وہی آفت کا سفر ہے

اس دشت میں تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے بھائی　　گر خاک بھی چھانوں تو نہ ہاتھ آؤ گے بھائی
بھینا کو مدینے میں نہ پہنچاؤ گے بھائی　　میں دیکھونگی اور برچھیاں تم کھاؤ گے بھائی
اولادِ بتولؑ کی یہ چھٹنے کی جگہ ہے
ناموس نبیؐ کی یہی لٹنے کی جگہ ہے

زینبؓ سے جو یہ ذکر سنا رونے لگے شاہ　　ناموس محمدؐ پہ ہوا صدمۂ جانکاہ
باجوں کی صدا دشت سے آنے لگی ناگاہ　　پہنچا یہ خبر دار کو حکم شہ ذیجاہ
ہاں جلد خبر لا کہ یہ لشکر کدھر آیا
اس سمت نشانوں کے ہیں رُخ یا اودھر آیا

مانندِ نظر دوڑ گیا بیک صبا دم ۔ پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرے کو ہوا خم
قائم رہے اقبال شہنشاہِ دو عالم ۔ کوفے کی ہوئی فوج لبِ نہر فراہم
سب چار ہزار اُن میں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

شہ نے کہا سرکردۂ لشکر کا ہے کیا نام ۔ کی عرض یہ اُس نے عمر سعد بد انجام
سنکر یہ خبر بولے شہنشاہِ ذوالاکرام ۔ صد شکر کہ آ پہنچا ہمیں موت کا پیغام
دشمن کو اگر رَے کی حکومت کی خوشی ہے
موجود ہیں ہمکو بھی شہادت کی خوشی ہے

اکبرؑ نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا ۔ ٹھہرا گیا اور سر کو وہ نہوڑا کے یہ بولا
شہزادۂ کونین جو کچھ آپ نے پوچھا ۔ ہو دے یہ زباں قطع اُسے عرض کروں کیا
کہتا تھا یہ لشکر عمر سعد شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسین ابن علیؑ کا

(۱) عباسؑ لگے کاٹنے ہونٹوں کو چبا کر ۔ کی تیغ کے قبضہ پہ نظر غیظ میں آکر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج میں جا کر ۔ روکا شہ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر
سوچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
غیرت سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

اتنے میں صدا دور سے نقّاروں کی آئی — آواز جفا کاروں کے رہواروں کی آئی
شہ بولے کہ پھر فوج ستمگاروں کی آئی — پھر ساتھ ہی جوڑی بھی خبرداروں کی آئی
کی عرض وہ لشکر کہ سیہ جسکے علم ہیں
اک شمر ہے اور چار ہزار اہل ستم ہیں

اس فکر میں سوئے نہ ذرا سبط پیمبر — صحرا میں رہی تا بسحر آمدِ لشکر
دن کو یہی خبریں چلی آتی تھیں برابر — شبث آیا ہے اب ساتھ لیے فوج ستمگر
خود آگے ہے اور پیچھے کمانداروں کی صف ہے
ایک ایک کا رخ فوجِ حسینی کی طرف ہے

یہ سنتے تھے جو دوسرا آکر یہ پکارا — آپہنچا یزید ابن رکاب ستم آرا
عمّانِ شقاوت نے ہے اک جوش سا مارا — گھوڑوں سے رُکا جاتا ہے دریا کا کنارا
پانی بھی کوئی نہر سے پاتا نہیں اب تو
جز تیغ و سناں کچھ نظر آتا نہیں اب تو

آئے وہاں فتح بجاتے ہوئے باہم — حجاج و سنان بن انس خولی و قشعم
تھے چار ہزار اہلِ ستم اور بھی اظلم — انبوہ ہوا تا ششم ماہِ محرم
امڈی ہوئی بادل کی طرح فوج گراں تھی
مقتل کہ نہیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہاں تھی

(۱۰۵) اُس فوجِ ستمگر کی تعداد ہے دشوار　لکھتا ہے کوئی بیس ہزار آئے تھے غدّار
اور اس سے فزوں تر بھی ہے کچھ واردِ اخبار　اکثر کا یہ ہے یہ قول کہ تھے لاکھ ستمگار
لکھتے ہیں یہ بعضے کہ چھ لاکھ اہلِ جفا تھے
کیا بیکس و مظلوم امامِ دوسرا تھے

دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام　تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہِ شام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام　اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سرانجام
پیارا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرتؑ پہ ہوا بند اسی رات سے پانی

گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا　وہ تابشِ خورشید وہ ذرّوں کا چمکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف یاس سے تکنا　باقرؑ کی وہ فریاد وہ اصغرؑ کا سسکنا
خیمے میں سکینہؑ کو جو غش پاتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ

تاریخِ نہم پھر گیا اعدا سے وہ جنگل　ہر سمت سے فوجوں کے اُمنڈ آئے تھے بادل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل　دریا بھی غریبوں کی ہوا آنکھ سے اوجھل
واں شام سے افواجِ ستم صبح تک آئی
لوگ اُٹھ گئے لشکر سے یہاں یہ کمک آئی

تھے مستعدِ جنگ اُسی روز ستمگر　　روکے ہوئے تھے فوج کو عباسؑ د[لاور]
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبرؑ　　آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جائے گا بے [سر]
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموسِ رسولِ عربیؐ ہے

(۲۲) خیمے میں گئے حضرتِ عباسؑ دلاور　　حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے [برادر]
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر　　قبضہ پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں [illegible]
خاموش ہیں سب حکمِ امامِ دوجہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں تیغ کے کھولے　　منھ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو [تولے]
سینے میں لگی آگ بڑے دل میں پھپھولے　　آقا کے مگر خوف سے ہم کچھ نہیں [بولے]
نامردی سے صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دیکھئے سے کیا شیر ہوئے ہیں

شہ نے کہا سر دینے کا وعدہ ہو چکا　　[illegible] کوئی قبضہ [illegible]
اک دم میں یہ میدان ستم [illegible]　　[illegible]
[illegible] آخر یہ ہوا [illegible]
[illegible] پہ کھل جائیگا جب [illegible]

ار نہ بچھڑ ہو کہیں تم جاؤ برادر — اعدا کو بھی اکبر کو بھی سمجھاؤ برادر
زندوں کو زینب کے تو لے آؤ برادر — وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیر
تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیر

ج ستم آرا کو یہ دیجیو مرا پیغام — لڑکوں سے ہے تکرار کہ مجھ سے ہے تجھے کام
ت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام — اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
ہیہات حمیت ہوئی کیا قوم عرب کی
مہمان ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

نکلے گیا شمر قریب صف کفار — فرمایا کہ اے قوم جفا کار ستمگار (۲۲۵)
جب بے ادب جنگ میں بہتر نہیں اصرار — شبیر ہیں اک رات کی مہلت کے طلبگار
ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی نہیں کیا ہے
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظور خدا ہے

کر یہ سب کہنے لگا شمر ستمگار — کہہ دو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمہیں زنہار
کھلا کہ یہ بولے کئی اس فوج کے سردار — دیتے ہیں جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
کچھ شرم نہیں تم کو یہ کیا بے ادبی ہے
شبیر تو فرزند رسول عربی ہے

دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سرور — عباسؑ دلاور سے لگا کہنے جفا کار

دی رات کی مہلت جو ہیں مہلت کے طلبگار — خیر آج کریں اور عبادت شہ ابرار

پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو

کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

عباسؑ دلاور نے کہا ہو کے غضبناک — تو کاٹے گا شیروں کے گلے او سگ ناپاک

آگے مرے یہ بے ادبی منہ میں ترے خاک — بیکس ہوا ایسا پسرِ حیدرِ لولاک

کیوں رکھ دوں لبِ نحس پہ انگشت سناں کو

دکھلا دوں مزا چھید کے نیزے سے زباں کو

بھاگا وہ پھرے ہونٹھ چباتے ہوئے عباسؑ — خیمے میں گئے ساتھ لیے سب کو [illegible]

کی عرض یہ جا کر پسرِ فاطمہؑ کے پاس — [illegible]

مہلت بھی ملی رات بھی پھیرا اجل بیٹھا کا

روکر شہ والا نے کہا شکر خدا کا

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا — آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا — خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی منہ پہ حرم شیرِ خدا کے
تھا چین بچھین فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں — تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں — روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری — غش ہو گئی تھی بالی سکینہؑ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری — یا حضرت عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھی سب سے سوا بنت علیؑ مضطر و بیتاب — فق ہو گیا تھا شام سے منہ صورت مہتاب
مژگاں سے رخِ پاک پہ تھی بارش خوناب — تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اُٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

بیٹھے دوسرے خیمے میں اُدھر سبطِ پیمبرؐ — دربار میں حاضر
اک پہلو میں قاسمؑ تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ — اکبرؑ کے اُدھر لختِ دلِ زہراؑ کا اسباب (۲۴۵)

شبیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسؑ علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے رفقا — عباسؑ سے یہ کہتا تھا وہ کُل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار — ڈر ہے کہ نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار

بیدینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی — اے چاند یداللہ کے شب دو پہر آئی
حضرتؑ کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی — دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی

فرمایا بڑا اجر ہے بیداری شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر — یہ توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر (۲۴۶)
ہر وقت ہے رحمت و وجہاں حاضر و ناظر — اجر اس کا ملا عقب سے جو ہیں صابر و شاکر

مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اُسکا رہے وِردِ سفر ہو کہ حضر ہو　　موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجادے پہ ہی کٹ رہے دُکھ میں کہ راحت میں بسر ہو　　تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو

عشق گُلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلوار کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر　　دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر　　تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر

کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بو الفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے　　اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے　　سجادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے

تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

کرتے تھے مناجات اِدھر یاورِ انصار　　پڑھتے تھے نمازِ شب اُدھر سیدِ ابرار
تھی شب تسبیح میں دل جگر افگار　　آواز یکایک خیمے سے آنے لگی یکبار

اکبر نے اشارا کیا مڑ کر کہ یہ کیا ہے؟
کی عرض کہ پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

(۲۴۵) یوں تو کئی راتوں سے ہیں وہ مضطر و بیتاب ۔۔۔ راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب ۔۔۔ روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادر پُر نور کہیں ہے
اس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

اُن کا تو یہ احوال ہے اماں کا یہ عالم ۔۔۔ اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہیں اک دم
صغریٰ کی بھی ہے فکر سکینہؑ کا بھی ہے غم ۔۔۔ بچہ جو حسینؑ کا ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اٹھائیں اسے یا اسکو سنبھالیں
دو روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

رو کر علی اکبرؑ نے جو کی شہ سے یہ تقریر ۔۔۔ بڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرت شبیرؑ
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر ۔۔۔ قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
بیتاب جو پایا بہت اُس تشنہ دہن کو
شبیرؑ نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال ۔۔۔ نہ سر پہ قصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال ۔۔۔ بیٹھو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہؑ کا لال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینبؑ
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینبؑ

زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میرا چل آئے　　بھائی تمہیں اللہ اس آفت سے بچائے
خالق مجھے عابدؑ کی یتیمی نہ دکھائے　　بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتا
مجبور ہوں دل مجھکو سنبھلنے نہیں دیتا

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہؑ نے پکارا　　سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا　　گردوں پہ چمکنے لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

حضرتؑ نے کہا میں تری آواز کے قربان　　اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا ساماں　　بن باپ کے تمکو تو نہیں جینا ہے آساں
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سو رہا کرو بی بی

کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں　　مجبور ہوں اے جان کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کبھی پائیں　　[illegible]
[illegible]
[illegible]

جب عمر تھی کم ہم بھی چھٹے تھے نہ ماں سے — سوتے تھے لپٹ کر تو نہیں خاتونِ جہاں سے
کچھ اُنکا ہوا ساتھ آنکھوں کے جہاں سے — ماتم ملی ہے منہ چھپا سے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جیے ہیں

رشتہ وہ اجل کا ہے جو ہوتا ہی نہیں شہ — کچھ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں ہر چند — کیا زور ہے بندے کا جو مرضی خداوند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی — گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغِ جہاں کی — تلوار علی گلشنِ انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلکِ نیلوفری سے
پھولا گلِ خورشید نسیمِ سحری سے

صبحِ شہادت

پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے　　پردے میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے　　گردوں سے سفر شروع کواکب لگی کرنے

تاباں جو رخِ نیّرِ افلاک ہوا تھا
ذرّوں سے درخشاں ورقِ خاک ہوا تھا

اٹھا رہی تھی خطِ شعاعی کی جو تنویر　　روئے شبِ تیرہ سے سیاہی ہوئی [illegible]
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر　　والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر

پھیلا ہوا تھا نورِ سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلقِ خدا یادِ خدا میں

خورشید کا وہ نورِ سحر کا وہ سپیدا　　شرحِ جعل الشمس ضیاء تھی ہویدا
اشجار پہ تھے زمزمۂ بلبلِ شیدا　　سرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا

لرزہ جو تھی خسروِ خاور میں مگر تھا
سو مہرِ امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا

چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہانتاب — شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئی بے آب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب — اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب

طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانوں سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

(۲۶۰)

وہ سرد ہوا صبح کی وہ نور کا عالم — اور زمزمۂ مرغانِ خوش الحان کے وہ باہم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم — اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم

نالے کی جو شہنا میں صدا تھی وہ بجا تھی
وہ نوبتِ قتلِ پسرِ شیرِ خدا تھی

ہر شے سے عیاں تھا غمِ سبطِ شہِ لولاک — سر اپنے غم سے تھے جھکائے ہوئے افلاک
اللہ رے ماتم کہ اڑاتی تھی زمیں خاک — دریا کا بھی موجوں سے سراسر تھا جگر چاک

آزردہ پرندے تھے مکاں خالی پڑے تھے
چوپائے چراگاہ سے منہ پھیرے کھڑے تھے

پہنچی جو گلستاں میں صبا خاک اڑاتی — غنچوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو یہ سناتی — گلزارِ محمد پہ خزاں آج ہے آتی

باغی تبر و تیشہ کمیں سے لے کے چلے ہیں
کٹ جائیں گے وہ نخل جو پھولے نہ پھلے ہیں

عالم میں تو آغاز ہوئی صبحِ غم انجام — ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہِ شام
آراستہ کرتا تھا ہر اک خود سر و خودکام — گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام
تھے لاف زناں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو
قتلِ شہِ مظلوم پہ کسنے تھے کمر کو

آگے بڑھے آتے تھے سواروں کے رسالے — چمکاتے ہوئے تیغ ہلاتے ہوئے بھالے
آمادۂ جنگ ایک طرف برچھیوں والے — اک سو قدر انداز کمانوں کو سنبھالے
تھے آگے بڑے فوج کے ثابت قدموں کے
لہراتے تھے جوں سانپ پھریرے علموں کے

(۲۶۵) کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں لاف زنی سے — اکبر کا جگر چھید دوں گا برچھی کی انی سے
لڑنا ہے مجھے آج امامِ مدنی سے — پیاسے نہیں بچنے کے مری صف شکنی سے
برباد کروں گا اسداللہ کے گھر کو
تلوار سے کاٹوں گا محمد کے جگر کو

تھے جمع ادھر بھی پدر و مونس و موالی — ماتھوں پہ نشاں سجدے کے چہروں پہ بحالی
دل صبر سے معمور شکم کھانے سے خالی — کیا علم تھا کیا زہد تھا کیا ہمت عالی
مٹتے تھے خدا نام پہ فرزندِ نبی کے
وہ عاشقِ صادق تھے حسین ابنِ علی کے

باندھے ہوئے عمامے سرِ پیر وہ خوش اطوار | تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار | رخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
ڈھال سے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبرؐ کی سپر تھے

وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل | منہ قبلۂ ایماں کی طرف سوئے خدا دل
تسبیحِ زباں سارے امامت کے فضائل | قرآن کبھی تیغیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق اُن کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

قلب اُنکے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک | دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خوش باطن و آگاہ دل و صاحبِ ادراک | خاکِ پسرِ فاطمہؑ میں اُن کی ملی خاک
روشن ہے کہ فرزندِ نبیؐ نورِ خدا ہے
یہ خاک اُنھیں غازیوں کی خاکِ شفا ہے

(۳۷۹) قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے | ہشیار تھے اور مستِ مئے حبِ علیؑ تھے
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے | حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے
پیدا نہ کیے مالکِ تقدیر نے ایسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ایسے

لشکر میں اُدھر سورۂ تہجد کی ہوئی دھوم — یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم — صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتّر مہِ نو ماہ کے ہمراہ

فارغ جو صلوٰۃ سحری سے ہوئے دیندار — پوشاک پہننے کو اُٹھے سیدِ ابرار
فرمانے لگے حضرت عباسؓ علمدار — ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے نمازی — اصطبل سے آنے لگے جراروں کے تازی
شیرِ صفِ جنگاہ تھا ایک ایک نمازی — نعرے تھے کہ قربان شہنشاہِ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلدِ بریں کا
خیمے میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

جس دم درِ دولت پہ امامِ اُمم آیا — چلّائے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا — کس صولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی چمکنے میں ضیا عرش تک اُس کی
خورشید کو پنجے میں نہ تھی چمک اُس کی

رونی تھی جو پردے کے قریں زینبؑ دلگیر — سب اسنے مفصل سُنی بیٹوں کی تقریر
غصّہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحب توقیر — دونوں کو اشارے سے بلا لے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سُن لیں اُسے فرصت اُنھیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہ دیں کو خبر ہو

۲۸۰
یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار — چھوٹے سے یہ فرمانے لگی زینبؑ
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار — اسوقت میں ہو کون سے منصب کے
سمجھے نہ کہ مادر عقب پردہ کھڑی ہے
گھر لٹتا ہے میرا تمھیں منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار — بچو تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤنگی بیزار — کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ امم کے
دیکھوں گی نہ پھر منہ جو گئے پاس علم کے

دو روز سے بھائی پہ مرے ظلم و ستم ہے — تم فکر علم میں ہو مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے ہیں قد سن بھی تمھارا ابھی کم ہے — کھیل اسکو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہ ذیجاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لیے شاہ سے کہنا

مانا کہ پہنچنا ہے تمہیں منصب جعفرؓ — آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بہتر
چھوٹا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر — عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑوں گی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

صدقے گئی سن لو کہ میں کہتی ہوں مکرر — تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسم و اکبرؑ — پھر تم مرے فرزند نہیں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کے وہ لال جو کام آئیں نہ ماں کے

عبداللہ و محمد مرے [illegible] کی تاثیر دکھاؤ — اجلال حسن شوکت شبیرؑ دکھاؤ
جعفرؓ کی [illegible] جوہر شمشیر دکھاؤ — تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ (۲۸۵)
خورشید امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

جعفرؓ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو — حیدرؓ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
جرار ہو کرار ہو صفدر ہو دلیرو — ضرغام ہو ہیتم ہو غضنفر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفہ کا در توڑ کے آؤ

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو — پہنچے اسد اللہ کے بیٹے ہو جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو — کوفہ کو تہِ تیغ کرو شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضے میں تو کابو میں حلب کو

میلے نہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں — چمکے ہیں سب اس کے جو چلے دھر ہیں سپر ہیں
گہ عطر میں ڈوبے ہیں گہے خون میں تر ہیں — صحبت میں ہیں صاحب ہیں لڑائی میں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

یہ سن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر — کس پیار سے منہ دونوں میں تکنے لگے
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے سبطِ پیمبرؐ — تیار ہے سب قبلۂ کونین خبردار
جلدی ہے لڑائی کی ادھر فوجِ ستم کو
ارشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

(۲۹۰) حضرت بولے کہ عباسؑ دلاور کو بلاؤ — پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
عاشق کو مددگار کو یاور کو بلاؤ — جلدی مرے حمزہؓ مرے جعفرؓ کو بلاؤ
یہ اوج یہ رتبہ یہ حشم اس کے لیے ہے
زیب اس سے علم کی ہے علم اس کے لیے ہے

…ش ہوکے یہ عمو کو پکارے علی اکبرؑ　　جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سید ابرار

…حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر　　ارشاد کیا شہ نے علم بھائی کو [illegible]

رکھیے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ

لو بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

…سہ دیا عباسؑ دلاور نے علم پر　　تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہ کے قدم پر

…عرض کہ قربان ان الطاف و کرم پر　　سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ امم پر

ادنیٰ جو ابھی تھا اسے اعلیٰ کیا مولا

قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

… پھریرے کو علمدار جری نے　　لوٹے گلِ فردوس نسیم سحری نے

… ہوا اندر افلاک نیلوفری نے　　پرچم جو کھلا کھول دیے بال پری نے

عیسیٰ نے پکارا کہ نثار اس کے حشم کے

خورشید نے منہ رکھ دیا پنجہ پہ علم کے

ترتیبِ صفِ فوج کا جس دم ہوا اعلام　　باندھی علی اکبرؑ نے صفِ لشکرِ اسلام

ظاہر جو ہوئی شانِ جوانانِ گل اندام　　کوفہ کے نشاں جھک گئے کانپی سپہِ شام

اللہ ری شوکت شرفا و نجبا کی

اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

خندق کی لڑائی کی جو کی جانب سے چلے تیر   شہ کے رفقا ہو گئے سب دستِ ستم

تیغوں سے بڑھا کے بڑھے چند قدم حضرت شبیرؑ   فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے

للہ کرو پاس رسولِ عربی کا

آخر میں نواسا ہوں تمہارے ہی نبیؐ کا

مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتادو   سرزد ہوئی ہے کونسی تقصیر ارشاد

کس امر پہ مجرم ہوا شبیرؑ بتادو   شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتادو

روئے گی اگر بنتِ علیؑ عرش ہلے گا

برباد ہے سادات سے کیا تم کو ملے گا

کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار   کیا وجہ جو تم سب ہو مرے درپئے آزار

یہ اسپہ تعدی جو بلا میں ہو گرفتار   حاجی بھی ہوں اور قبر نبی کا بھی

ماتم ہے بپا آلِ رسولِ مدنی میں

پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں

بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے   اس گرمی میں دریا سے کنارا کیا میں نے

دکھ درد میں کیا پاس تمہارا کیا میں نے   کچھ اپنے نہ آرام کا چارا کیا میں نے

صابر ہوں نظر جانبِ دریا نہیں کرتا

دو روز کا پیاسا ہوں یہ شکوہ نہیں کرتا

[...]ن کے پکارا عمرِ سعد جفا کار — بے سود یہ تقریر ہے یا سیدِ ابرار
[...]حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار — بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچئے تلوار

جلادوں سے خواہانِ اماں قبلۂ دیں ہیں
اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں

(۳۰۰)
[...]حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری — کچھ جنگ سے فرزندِ پیمبر نہیں عاری
[...]ہاں بیکس و بے پر تو ہوں اے فرقۂ ناری — پر لے گا مرے خوں کا عوض حضرتِ باری

اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہوگے
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہوگے

کیا شوم تھی قسمت کہ ہوئی کس کی نکوہ — اللہ کے محبوب کا دشمن ہے جو غدار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار — حق جسکی طرف ہے میں اُسیکا ہوں طلبگار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
فرزند پیمبرؐ کی رفاقت میں مروں گا

(۳۰۵)

چہرہ مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے — بہکا ہوں مگر ابن علیؑ راہ نما ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا مجھے کیا ہے — ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہے
سب جیتے ہی جی کے ہیں سوا آل نبیؐ کے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا — بولا حُر دیندار کہ خوشنودی زہراؑ
ساتھ اُسکا میں دونگا کہ جو ہے بیکس و تنہا — فرزند نبیؐ نور خدا سیّد بطحا
یاں کفر ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
تھوڑوں کا جو دے ساتھ وفا میں وہ جری ہے

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت — آنکھوں سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت — کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترک رفاقت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑینگے
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں گے

سو سر ہوں تو زہراؑ کے جگر بند پہ واریں — سو بیٹوں کو صدقے شہِ والا پہ اُتار[یں]
سو بار جئیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں — دُنیا کے لیے بندۂ مقبول کو مار[یں]

ہمراہیِ غدّار و بد افعال پہ لعنت
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اُس مال پہ لعنت

عبدِ حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر — گر لاکھ ہوں جائیں تو نثار سر[illegible]
دُنیا میں نہ ہوگا عمرِ سعد سا بے پیر — کہیے تو کروں اُسکے مٹا دینے کی تد[بیر]

حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے
اُس فوج میں چلیے تو اسے مار کے چلیے

(۳۱۰)

حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار — آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدر و جرّار — بے توبہ ابھی تو نرا آقا ہے گنہگار

پاک اپنے گناہوں سے جو ہولیں تو لڑینگے
پھر آگ بھی ہوئے گی تو ہم کود پڑیں گے

یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور — پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
بولا وہ لعیں دستِ نحس پھیر کے منھ پر — منظور ہے تاراجیِ گلزارِ پیمبر

کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبی کا
بچہ بھی نہ چھوڑوں گا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبرؐ　　　یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
بچ کر مرے ہاتھوں سے کہاں جائینگے سرور　　　پنجے میں ہے شیروں کے یہ سادات کا لشکر
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ امم پر
چادر نہیں رہنے کی سر اہلِ حرم پر

تھرا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے　　　بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
باز آ ستم و ظلم و تعدی و جفا سے　　　کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں دنیا دار لڑے ہیں
سادات ہیں یہ انکے حق امت پہ بڑے ہیں

بس زرد ہوا سن کے یہ باتیں وہ سیہ رو　　　بولا کہ مجھے کہتا ہے مردودِ خدا تو
میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو　　　اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شہِ خوشخو
جابر ہے یزید اسکا بھی کچھ خوف نہیں ہے
ہیں لوگ رسالے کے کہیں آپ کہیں ہے

صالح ہو کہ طالح ہو کسی سے ہمیں کیا کام　　　طالب ہیں کہ ہاتھ آتے ہیں زر و خلعت و انعام
مٹ جائیگا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام　　　سکتے ہیں یہ لشکر تری باتیں سپہ شام
فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو
بلوا کہیں لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو

بیعت سے ہے تو شام کے حاکم کی نمکخوار سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
ہاں ہاں کہ حسینؑ ابن علیؑ ہیں شہ ابرار آ پڑتی ہے جب بات تو ہٹتے نہیں [illegible]
جنگ احد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
وہ کون تھے آخر جو پیمبرؐ سے لڑے ہیں

حرؑ نے کہا اب مجھکو کسی کا نہیں کچھ دھیان سید پہ مرا ہاتھ اُٹھے یہ نہیں امکان
زہراؑ کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان گھر شام میں لٹ جائے پہ ضائع نہ ہو ایمان
جنت ہے گھر اسکا جو غلام شہ دیں ہے
لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جسکو نہیں ہے

شیطاں تجھے سُننے نہیں دیتا مری تقریر بیٹا وہ ہے سوچے جسے انجام کی تدبیر
دوزخ ہے یہ منصب تو جہنم ہے یہ جاگیر کھوتا ہے دو عالم سے تجھے حاکم بے پیر
گر سبط [illegible] سے [illegible] جلے گا
تو تا بہ ابد نار جہنم میں جلے گا

بیٹے نے کہا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

(۳۲۰)

بھائی نے کہا تول کے شمشیر شرربار — ہاں جہل مرکب میں سیہ رو ہے گرفتار
ہم پند بھی بیجا ہے نصیحت بھی ہے بیکار — عقبیٰ سے غرض کیا سگِ دنیا ہے یہ غدار
بدخواہ جگر بندِ رسولِ مدنی ہے
یہ دشمنِ دیں خلق میں گردن زدنی ہے

چلّایا قریب آکے غلامِ حرِ غازی — عو عو یہ نہیں کرتا ہے یہ سگ چھیڑیے تازی
ہم دوست ہیں یہ دشمنِ سلطانِ حجازی — ان آنکھوں نے دیکھی ہے بہت شعبدہ بازی
منحوس نے بدنام کیا قومِ عرب کو
اس بوم کے سائے سے حذر چاہیے سب کو

تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر — سنتا رہا چپکا سخن سخت وہ بے پیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرت شبیر — سینے سے کئی گز پڑے کمانوں سے چلے تیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے سے نکل آئے
بجلی سے چمکتے ہوئے ستارے سے نکل آئے

اسلام کی سرحد میں [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible]
[illegible]

شہرہ دو عالم ہے تری ہمت عالی		سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
سر پر ہے گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی		توبہ کے لیے آیا ہوں یا خلق کے والی
انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا

(۳۲۵) حضرت نے سنا حر کا جو یہ نالۂ جانکاہ		خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہ ذیجاہ
آ مرے ہمدرد و مددگار و ہوا خواہ		بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ
استادہ ہے کیوں دور تردد تجھے کیا ہے
پہلو میں جگہ ہے مرے دل میں تری جا ہے

جس حال میں تو آ کہ مرا گھر ترا گھر ہے		ماتم کدۂ آل پیمبر ترا گھر ہے
کاشانۂ لخت دل حیدرؑ ترا گھر ہے		جنت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہے
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابن سخی ہیں
مہماں ہمیں پیارا ہے کہ ہم آل نبیؐ ہیں

اکبرؑ نے لیا ہاتھ میں دست حرؑ ذیجاہ		عباسؑ نے خود فرق پہ کھولا علم شاہ
قاسمؑ تھے برادر کے برابر صفت ماہ		زینبؑ کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہِ والا — اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا — غفّار ہے راحم ہے گنہ بخشنے والا
اوج اُسکے لیے ہے جو جُھکا جاتا ہے بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

ہمسایۂ محبوبِ خدا تجھکو ملے گا — قربِ اسدِ قلعہ کُشا تجھکو ملے گا
کھل جائینگی آنکھیں وہ صلا تجھکو ملے گا — کل آج کے فاقے کا مزا تجھکو ملے گا
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصّہ ہے برادر
جنّت میں ہمارے ترا حصّہ ہے برادر

۳۳۰
کی دستِ ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار — کیو کا اسی نعمت کا ہے یہ عبدِ گنہگار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار — چِلّوں سے ملے تیر علَم کھل گئے اکبار
ڈنکے پہ اُدھر چوٹ پڑی لشکرِ کیں سے
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں سے

عباسؑ نے کھولا علمِ فوجِ حسینؑ — چمکے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کی عرض پدر سے علی اکبرؑ نے یہ بڑھکر — کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اُس فوج سے سر پر
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکرِ شر سے
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہوا اُدھر سے

ہمشکل پیمبر جو بڑھے سنکے یہ احکام — شہزادے کے قدموں پہ گرا حُر خوش انجا
کی عرض بمنت کہ مدد کا ہے یہ ہنگام — خادم جو سرِ اول ہو تو ہو جائے بڑا نا
دلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
حسرت ہے کہ پہلے میں ہی آقا پہ فدا ہوں

فرمایا بہ شفقت علی اکبرؑ نے کہ اچھا — ساتھ اسکو لیے آئے حضورِ شہِ وا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سیّدِ بطحا — پہلے حُرِ غازی کو ہے رخصت کی ت
بھیجیں اسے گر حکم امامِ مدنی ہو
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو

حضرتؑ نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے — تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
بیکس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سارے — آیا ہے ابھی اور ابھی کہدوں کہ سد
دم بھر نہیں گذرا کہ ملاقات ہوئی ہے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہے

۳۲۵ اللہ رے عجلت ابھی آنا ابھی جانا — مشتاقِ محبت کو ستاتے ہو
بھائی تحصیلِ سعادت ہے یہ مانا — سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گذرا ہے ز
کیونکر ہو کہ تلواروں سے بے دم اسے دیکھیں
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہمیں ہم اسے دیکھیں

حُر سے علی اکبرؑ نے یہ فرمایا کہ بھائی منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
گر کر قدمِ شہ پہ یہ بولا وہ فدائی مر جاؤں گا پہلے جو رضا ان کی نہ پائی
اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لیکے چلا ہوں مقبول الٰہی کی دعا لے کے چلا ہوں
سیّد کی غلامی کا صلا لے کے چلا ہوں کافی ہے ابد تک وہ عطا لے کے چلا ہوں
نام اسکا ہے بخشش یہ عنایت یہ مدد ہے
رخصت نہیں آزادیِ دوزخ کی سند ہے

کی حُر نے فصاحت سے جو مدّاحیِ سرور موڑ لیا شرما کے سخی نے رخِ انور
اکبرؑ سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر کہہ دو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
مدّاح کو مہماں کو بہادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لے کے مرے حُر کو اُڑھا دو

اکبرؑ نے عبا لے کے جو مہماں کو اڑھائی شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
عباسؑ پکارے کہ تری قدر فزائی لے قسمت سے رحمت تری قسمت میں آئی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
فردوس کے حلّے سے نہ کم جانیو اس کو

(۳۲۰)

رخصت ہوا جب سبطِ نبیؐ سے حُرِ جرّار   چومے قدم شاہ پھرا گرد
تسلیم جو کی جھک کے تو روئے شہِ ابرار   فرمایا خدا حافظ و ناصر
دُنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

اشعارِ رجز پڑھ کے وہ جرّار پکارا   آتا ہے غلام اُسکا علیؓ کا
آتا ہے مرا عرشِ معلّٰی کا ستارا   ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ
بھیجا ہے نواسے نے رسولِؐ دوسرا کے
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے

یہ سنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار   بھائی حُرِ غازی کا بڑھا تول
دہنی طرف آیا پسرِ صفدر و جرّار   اک شیر سا نیزوں میں دھنا
کفّار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
مارے گئے لشکر کی صفیں رن میں اُلٹ کر

لاشوں کو اُٹھانے گئے جب قبلۂ عالم   چھیڑا حُرِ دیندار نے شبدیز
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم   پر صبر تو دیکھو کہ نہ آنکھیں ہو
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوجِ گراں سے
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

...دری مہمانِ شہِ دیں کی لڑائی　　فرصت نہ سنبھلنے کی خطاکاروں نے پائی
...برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی　　برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا
جلتی ہوئی دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا

...ے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا　　تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
...ے پہ سپہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا　　نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

...کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی　　کس غول پہ جھکی کہ قیامت نہ دکھائی
...کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی　　جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی
پھل اسکا نظر سب کو اعدا پہ تُلا تھا
سمجھیں کوئی پردہ نہیں منہ صاف کھلا تھا

...سر نظر آیا وہ جسے پا گئی شمشیر　　دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
...تو ادھر اور ادھر آ گئی شمشیر　　کیا منہ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ جب چوٹ پڑی تھی
پُرنے سے کیا اسکو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی

جو دشمنِ دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وہ
سفّر کو حباب لب جو جانتی تھی
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
سر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی

اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
نا بیں تھیں کہ کھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
غصّے میں وہ شدیز کی آنکھوں کا اُبلنا
کف مُنھ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا

مارا تھا قدم اُس نے شجاعت کے چلن پہ
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پہ

(۳۵۰)

لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
رہوار نے کچلا اُسے حُر نے جسے مارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا
مُڑنے میں نظر شوخ کی مڑنے میں بیابا

ایسا تو شبک رو فرس برق سفر ہو
پُتلی پہ ہو پُتلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو

کھانے لگی گھونگھٹ جو سپاہ ستم آرا
بڑھ کر عمرِ سعد جوانوں کو پکارا
ہٹتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا
گھیرو نہ سے تیروں سے یہ دشمن ہمارا

دو لاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے
ہاں تیر لگا کر بھی قریں جا نہیں سکتے

آواز یہ دی حُر نے کہ اے ظالمِ غدار
غیرت ہے تو آ سامنے تو چھوڑ کے رہوار

بتلا انھیں انداز دغا کھینچ کے تلوار
کیوں صورتِ روباہ دکھاتا ہے جفاکار

تو دشمنِ سخت جگرِ شیرِ خدا ہے
اُس صف سے نکل کر جو ادھر آ تو مزا ہے

کہکر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا
سمٹا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا

رہوار تڑپ کر ادھر آیا اُدھر آیا
مضطر ہوئے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا

باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پہ
بوچھار ہوئی دور سے تیروں کی جری پہ

پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس
دم بھر میں لہو ہو گیا جرار کا ملبوس

سینہ ہے کہ تودا ہے نہوتا تھا یہ محسوس
غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس

رخ زرد تھا گلنار تھی پوشاک لہو سے
فوارہ خوں چھوٹتے تھے ہر بنِ مو سے

اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
جو آ گیا زد پر اُسے بھیجا طرفِ نار

پے کر دیا گھوڑے کو جفاکاروں نے اکبار
مجروح سے اب کیا ہو فرس ہو گیا بیکار

جب وقت برا ہو تو اجل ٹل نہیں سکتا
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

(۴۰) ۱۲۴۰

(۱۲۵۵)

جبتک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے　　مہمان کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے　　مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے

دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر
اللہ ری وفا مرگیا گرتے ہی زمیں پر

روتا تھا وفاداری مرکب پہ وہ صفدر　　جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرز گراں سر
حضرت کو پکارا وہ حزیں خاک اڑا کر　　مہماں کی خبر لیجیے یا سبط پیمبر

خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا

اعدا نے ادھر فتح کے باجے جو بجائے　　نکلا پسر سعد لعیں تیر لگائے
یہ دور سے حُر کو سخن طنز سنائے　　کیوں ترک رفاقت کے مزے خوب اٹھائے

اس وقت کوئی آ کے حمایت نہیں کرتا
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی　　اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہے جو پائی　　مہمانی میں تلوار پہ تلوار تو کھائی

ہاں مرتبہ اسوقت شہیدوں میں بڑھے گا
جب نوک سناں پہ ترا سر کٹ کے چڑھے گا

(٣٦٠)
گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا جگر دیندار — کیا ہرزہ درائی ہے یہ او ظالم غدار
پاس آ کے سخن کر تو سنوں میں تری گفتار — زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہے تجھ پر
مرتا ہوں پہ مردہ بھی مرا بھاری ہے تجھ پر

رتبہ جو ملا ہے مجھے تو کیا اُسے جانے — خود کور ہے آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
گھیرا ہے مجھے رحمتِ ربِ دوسرا نے — پہلو میں محمدؐ ہیں یداللہؑ سرہانے
سر عرش پہ اُن کا ہے جو رتبے میں بڑے ہیں
پنکھے لیے ہاتھوں میں ملک گرد کھڑے ہیں

مجھسا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا — اک جَو کے برابر تری دنیا کو نہ جانا
نعمت کے مزے دے گیا یہ برچھیاں کھانا — صدقے ہوا اُس پر کہ نبیؐ جس کے ہیں نانا
بیٹا ہے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو خستہ جگر افگار — سر کاٹ لو اسکا یہ پکارا وہ جفا کار
جلاد و بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اکبار — بھاگو کہ حسینؑ آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
اُٹھنے کی نہیں ضرب علی ابن علی کی
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغ علیؑ کی

آمد جو سنی شبیر کی پیاسے ہوئے دوبارہ
لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسداللہؑ
لاشے پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
مہماں سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ذیجاہ
ٹکڑے ہے بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی
بے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

(۲۶۵)
سن کر یہ صدا حر نے جو آنکھوں کو کیا وا
سر حضرت شبیر کی آغوش میں دیکھا
جلدی قدمِ شاہ پہ منہ مل کے یہ بولا
صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ والا
تکیہ ترے زانو کا میسر ہوا آقا
ذرّہ تھا یہ اب مہرِ منور ہوا آقا

غش سے جو کھلتے تھے حر دیدۂ پرنم
صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اس دم
ارشاد یہ فرماتے تھے خود سیدِ عالمؐ
لے آئے ہیں اے حر ترے لینے کے لیے ہم
شبیرؑ کا جو دوست وہ پیارا ہے نبی کا
تو آج سے مہماں ہے رسولِ عربیؐ کا

مجھ پر حسنؑ و جعفرؓ و حمزہؓ کا ہے پیار
جس طرح دمِ نزع نہ گھبرائے ہوں بیمار
ارشادِ علیؑ ہے ملک الموت سے ہر بار
ہاں رفق و مدارا کہ ہمارا ہے یہ غمخوار
زخمی سے جدا کیجیو یوں روح بدن سے
جس طرح اٹھاتا ہے کوئی پھول چمن سے

یہ ذکر تھا ظاہر ہوئے جو موت کے آثار   تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار

دم بند ہوا کھولدیے دیدۂ خونبار   مڑ کر سوئے شبیرؑ کراہا وہ نکوکار

بس دیکھ کے دیدار امام ازلی کا

رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابن علیؑ کا

شہادت حبیب ابن مظاہرؓ

اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں راوی صادق　　جب قتل ہوا حُر سا مددگار ہوا
پھر فوج پہ برسانے لگے تیر منافق　　مرجانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے
ایک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
سر بکف رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں جرّار　　جس طرح کہ چھوٹی ہوئی بلبل ہو
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار　　یارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی
برچھی جو لگی نخل شہادت میں پھل آیا
جاں آگئی جس وقت پیام اجل آیا

زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ　　آزار کو لطف احدی جانتے تھے
چھدنے کو سمندر کی بدی جانتے تھے وہ　　مرنے کو حیات ابدی جانتے تھے
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ خدا کی ثنا تھی
دو روز کی پیاس آنکھ سے آب بقا تھی

ان تولاّے حبیب ابن مظاہر   یکساں صفت مہر ہیں باطن و ظاہر
صیاں سے بری طیب و پاکیزہ و طاہر   جانباز جہاں دیدہ فن جنگ سے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے قد راست میں خم تھا
اسپر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی   پروانۂ جانباز بھی شمع سحری بھی
ار بھی دیندار بھی عصیاں سے بری بھی   زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوج شہ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی رہے تھے

شہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دست کلو کا   پر ایک ہیں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
ب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار   یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینے پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر اُنھیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے حضرت

--- •×○×• ---

شہادت پسرانِ حضرت مسلمؑ

(۳۷۵) مارے گئے مولا کے جب انصار و موالی — تب حضرت مسلمؑ کے یتیموں نے رضا لی
جس دم وہ چلے رونے لگے سرورِ عالی — اک حملے میں دونوں نے پرے کر دیے خالی
تھا غلغلۂ دار و بگیر اہلِ ستم میں
برپا تھا تلاطم حرمِ شاہِ امم میں

گھر میں یہ تلاطم تھا کہ آئے علی اکبرؑ — کی عرض پھوپھی سے کہ ذرا سنیے تو آ
روتی ہوئی گھبرا کے اٹھی زینبؑ مضطر — پاس آ کے کہا خیر تو ہے اے مرے د
ماتم میں بجا ہوش ہمارے نہیں بیٹا
بھائی تو کہیں رات کو سدھارے نہیں بیٹا

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ شہ آئے شہِ ابرار — کس درد سے فرمایا کہ اے خواہرِ غمخوا
سب فوج سے لڑ کر پسرِ مسلمؑ ناچار — مارے گئے مقتل میں وہ نام آور دو
پردیس میں اُنسے بھی جدائی ہوئی زینبؑ
بس خاتمہ ہے گھر کی صفائی ہوئی زینبؑ

شہادت پسرانِ حضرتِ زینبؓ

زینبؓ نے سُنی جب یہ خبر شاہِ امم سے — مسلم کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
دل ہل گیا رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے — آنسو رخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
کام آنا تھا جو حسنؑ کے خجل ہوتی تھی زینبؓ
فرزندوں کا مُنہ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؓ

کچھ مُنہ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اُسے دھیان — شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان — اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان
چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؓ کے پسر مر گئے دونوں

(۳۸۰) سب بیبیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا — مشہور ہے زینبؓ شہِ مظلوم کی شیدا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو نہ بھیجا — کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا
کس کو خبر اسکی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؓ
لاش آتی ہے اوروں کی کڑھی جاتی ہے زینبؓ

میں آپ تو بیٹوں سے کرونگی نہ یہ تقریر   ماموں کے عوض سینہ پہ کھاؤ تبر و تیر
خود جانتے ہیں مرتبہ حضرت شبیرؑ   ہیں سوچ میں۔ دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر

صادق ہیں محبت میں تو کام آئینگے دونوں
مادر کو جلائیں گے تو مر جائیں گے دونوں

ماموں نے اُنھیں دل کیطرح گود میں پالا   آقا کی رفاقت سے ہوئی قدر دو بالا
کیا دل میں نہیں انکے ولائے شہ والا   بچے نہیں کچھ نام خدا ہوش سنبھالا

منصف ہو کوئی یہ مرے سمجھانے کے دن ہیں
یا آپ سے اُن دونوں کے مرجانے کے دن ہیں

مانع ہے جو پاس ادب سید ابرار   کیا قصد ہے مجھسے تو کریں سو دل اظہار
حیران ہوں آپس میں ہے کس بات کی تکرار   مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھی ہے تلوار

کھلتی ہیں نہ کھلتے ہیں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا منھ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

میرے لیے روتے ہیں تو بیجا ہے یہ زاری   ماموں پہ تصدق ہوں جو ہاں ہے انھیں پیاری
مرجانے کی ہمت اُنھیں دے ایزد باری   میں گرد پھروں اُنکے جو منگوائیں سواری

بیٹا ہو بھتیجا ہو غنی ہو کہ گدا ہو
مجھکو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

اکبرؔ ہوں کا عرض حال

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبؑ جگر افگار
اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اکبار
کی دست ادب جوڑ کے یہ عونؑ نے گفتار
ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار

میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

(۳۹۰)
کبتک میں بھلا رنج عزیزوں کے اٹھاؤں
کہتا ہیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
زخم تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں
اعدا کو شجاعت شہ مرداں کی دکھاؤں

مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑلے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونؑ خوش اطوار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقت گفتار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا ہر بار
کی عرض سنا آپ نے لے مادر غمخوار

کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہمنے تو کبھی انکو اکیلا نہیں چھوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی منہ نہیں موڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
ٹھہرا کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا

ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹے ہیں جواب اسکا بڑے بھائی کو کیا دیں — اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہے سزا دیں — میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں ملک عدم دور
نہ فوج ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دنیا میں کوئی اور بھی ہمسا ہے دلاور — ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
اک حملے میں گر ہم نہ الٹ دیں صف لشکر — پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
شہ کے قدم پاک پہ سر دیکے پھریں گے
یاں سے سر شمر و عمر لے کے پھریں گے

(۳۹۵)
خاطر تو نہ ان کی نہ مری کیجئے مادر — انصاف سے فرمائیے از بہر پیمبرؐ
کس طرح کہوں میں کہ چلے جائیں برادر — چھوٹا تو چھٹے اور بڑا بھائی ہو بے پر
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ پلے ہیں
کیسی ہے یہ الفت کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں

بیٹوں کے سخن سن کے یہ کہنے لگی زینبؑ — ہاں دیر کا باعث تھا یہی مجھ پہ کھلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب — ماموں پہ تم ہو یہ گوارا ہے تمہیں کب
جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں — سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں — ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا

پیاسے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر — پانی تمھیں دیں گھر سے نکل جاؤ جو آکر
دیجیو یہ جواب اُن کو کہ اے قوم بد اختر — اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدم شہ پہ گریں گے
پانی کے لیے قبلۂ عالم سے پھریں گے

غصے سے میں کہتی ہوں خبردار خبردار — پانی جو پیا دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
کیوں جاؤ اُدھر کیا تمھیں دریا سے سروکار — وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
کوثر کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نہ شہد میں لذت ہے نہ پانی میں مزا ہے

دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر — خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشقِ شبیر — اللہ نے بخشی ہے تمھیں عزت و توقیر
جیتے نہ پھرو گے یہ قسم کھائی ہوں واری
کمسن ہو بہت اس لیے سمجھاتی ہوں واری

(۴۰۵)

مجھکو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے — میدان میں عاجز سپہ شام ہو تم سے
حشر تک زمانے میں مرا نام ہو تم سے — حیدرؑ کی طرح رونق اسلام ہو تم سے
پھر بیاہ ہو مہلت جو اجل اب کی برس دے
اللہ انھیں چھوٹی سی تلواروں میں جس دے

کیا خوش ہوں کہیں آ کے جو عباسؑ دلاور — یوں عونؑ و محمدؑ نے اُلٹ دی صف لشکر
لائیں خبر فتح و ظفر قاسمؑ و اکبرؑ — بانوؑ سے یہ خوش ہو کے کہیں سبطِ
کس سے ہو توقع جو یگانوں سے نہ ہوئے
لڑکوں سے ہوا وہ جو جوانوں سے نہ ہوئے

کچھ سوچ کے اتنے میں اُٹھی بنت یداللہؑ — بیٹوں کو چلی لے کے حضور شہ ذی جاہ
روتے ہوئے سب اہل حرم بھی ہوئے ہمراہ — عباسؑ سے اُسوقت یہ فرمانے لگے شاہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہے زینبؑ
دو بیٹوں کو رخصت کے لیے لاتی ہے زینبؑ

بس اتنے میں آئی شہ مظلوم کی خواہر — بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گرد برادر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبطِ پیمبرؑ — صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قربان
قسمت سے یہ دو نورِ نظر پائے ہیں تم نے
ہتھیار انھیں کس لیے بندھوائے ہیں تم نے

واللہ مری جان ہیں فرزند تمہارے — میں برج شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
ہے مجھکو گوارا کوئی ان پہ مجھے وارے — یہ اکبرؑ و اصغرؑ سے سوا ہیں مجھے پیارے
ہاتھوں سے نہ کھونا کہ شجاع ازلی ہیں
یہ جوشن بازوئے حسینؑ ابن علیؑ ہیں

زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے سید ابرار — کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
فرزان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار — باپ انکے نمکخوار تھے یہ بھی ہیں نمک خوار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے

اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی — تشویش سے تا صبح انھیں نیند نہ آئی
میں پہلے کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی — کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے ہیں دونوں
سمجھاتی ہوں کیا خود مجھے سمجھاتے ہیں دونوں

سو آپ سے میں عرض یہ اب کرتی ہوں بھائی — حضرت بھی گوارا کریں اب ان کی جدائی
ساتھ انکو وطن سے میں اسی واسطے لائی — ہوتی ہے بُرے دن کے لیے نیک کمائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
ان دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے

کچھ انکے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی — گوہر کوئی بیٹی کو بہر عزت نہیں رکھتی
دُنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی — محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی

جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

کچھ عذر کیا چاہتے تھے سید ابرار — سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
قربان گئی اب تو مناسب نہیں تکرار — محروم نہ رکھئیے کہ سخی کی ہے یہ سرکار

بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
نادار کا دل یونہیں بڑھا کرتے ہیں بھائی

(۴۱۵) کس دن کے لیے ہیں یہ غلامانِ وفاکیش — میداں میں شجاعت یہ دکھائینگے کو بیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجئے پس پیش — نانا سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہر دلریش

آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو
وہ بات نہ کیجئے کہ مری دل شکنی ہو

یہ سُن کے بہت روئے شہ صابر و شاکر — فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر
دیکھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر — زینب نے ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر

منظور یہ تھا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے
دونوں یہ سدھارے ہیں چلے ہاتھ سے میرے

زینبؑ نے اشارا کیا آداب بجا لاؤ
دو گرد پھوپھیوں کے سر پاؤں پہ نہ آؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ
میں پیار تو کر لوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ

گھر باپ کا ویران کیے جاتے ہو پیارو
زینت مرے لشکر کی لیے جاتے ہو پیارو

وہ پاؤں پہ گرنے کے لیے دوڑ کے آئے
شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
منھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے
خیمے سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے

کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ
سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی جاتی تھی زینبؑ

ڈیوڑھی پہ جو پہونچی تو کہا عونؑ سے رو کر
ٹھہرو کہ پھرا لوں تمہیں گرد علی اکبرؑ
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر
تم جا کے نہ آئے تصدق علی اصغرؑ

لازم نہیں وہ بات کہ ناں جس میں خفا ہو
صدقہ تمہیں دیتی ہوں کہ رد ان کی بلا ہو

ہمشکل پیمبرؐ پہ ہوا عون تو قربان
چھوٹے نے کہا دست ادب جوڑ کے اس آن
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں ہے دھیان
اولاد پہ ماموں کے تصدق ہے مری جان

لاش آئے جو رن سے تو نہ دم مار یو اماں
گہوارۂ اصغرؑ پہ نہیں وار یو اماں

۲۴۰ / ۱

یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہرو　　اُس وقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
بس بیٹھ گئے خاک پہ بہنے لگے آنسو　　چلاتی تھی پردہ سے لگی زینبؑ خوشخو

دو روز کے پیاسو تمہیں اللہ کو سونپا
حیدرؑ کے نواسو تمہیں اللہ کو سونپا

ہاں صدقے بزرگوں کا چلن بھول نہ جانا　　سیکھے ہو جو کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا　　جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا

وہ کہتے تھے جرأت تو خداداد ہے اماں
تشویش نہ کیجئے ہمیں سب یاد ہے اماں

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے　　گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے جو کاندھوں پہ رکھے بچوں نے بھالے　　ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے

رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گلرو　　دل ماں کا یہ اُمڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اُٹھائیں تو فرس بن گئے آہو　　پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینبؑ خوشخو

میدان کی طرف پیاس سے ماں دنگ تھی تھک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میدان میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے — گویا کہ بہم حیدر و جعفر نظر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے — افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسف سے فزوں حسن گراں مایہ ہے اُن کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سے منھ اور وہ گیسوئے معنبر — وہ بدر سے رخسار زہے قدرت داور
سب شانِ یداللہ کی سب شوکتِ حیدر — چتون وہی غصہ وہی سارے وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحب شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

تھے حسن میں اُن دونوں کے آئینہ رو ایک — پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
شان ایک شکوہ ایک جو رنگ ایک تو بو ایک — دل ایک جگر ایک حسب ایک لہو ایک
دوسرا اُن سا کوئی عرب سے تا غرب نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

پڑھنے لگے اشعار رجز جب وہ دلاور — اللہ ری فصاحت فصحا رہ گئے ششدر
ہر بیت تھی دشمن کے لیے تیغ دو پیکر — ہر مصرعہ برجستہ تھی تیزی خنجر
دے کون جواب اُن کا کہ دم بند تھا سب کا
عالم پہ قافیہ تھا تنگ سخن دان عرب کا

اظہار نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام — سب پڑھنے لگے صلِ علیٰ صاحبِ ا
آگے جو بڑھے نام علیؑ لے کے وہ گلفام — دل ہل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شا
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مجرے کو علم جھک گئے سب فوج شقی کے

(۴۳۰)

آغاز تھا ذکر شرف حضرت شبیرؑ — ڈنکے پہ اُدھر چوب لگی چلنے لگے تیر
اُس وقت بڑے بھائی نے کی چھوٹے سے تقریر — تلوار علم کیجیے اب کس لیے تاخیر
کہیئے تو جدا ہو کے ستمگاروں میں جائیں
اسواروں میں ہم آپ کمانداروں میں آئیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنسکر نہیں بھائی — تم جان ہو دشمن رہے دم بھر کی جدا
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی — سر کرتے ہیں سب کو یہی ایسی ہے لڑا
بازو رہیں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اُتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

ماناکی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ — تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیا
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ — ہم سینہ سپر تم پہ ہوں تم ہم کو بچا
ہم شیروں پہ رستم کا بھی منہ پھر نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر　　بس کھینچ لیے تیغے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگا لشکر　　نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رو میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

موت آ گئی اُدھر تیغے دونوں جدھر آئے　　جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
گہ سینہ تک آئے تو کبھی تا کمر آئے　　خالی نہ پھرے جس پہ گئے خوں میں بھر آئے
ہر تیغہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تیغے دو مہ نو خوں کے شفق میں

(۳۳۵)
گھوڑے تھے چھلاوا کبھی یاں تھے کبھی واں تھے　　بجلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
واں تھے جو سبک رو تو اُدھر گرم عناں تھے　　بجلی تھے کسی جا تو کہیں آب رواں تھے
ہو سکتی تھی بجلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے جو نکل جاتے تھے سن سے

جمعیت لشکر کو پریشاں کیا دم میں　　جو فوج کی جان تھے انھیں بے جاں کیا دم میں
تلواروں سے جنگل کو نیستاں کیا دم میں　　سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں
بیدست تھے علموں کو جو بے دیں لیے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لیے تھے

وہ چھوڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا — دم بھر میں پیادوں کو تہ و بالا کر آیا
جب شیر سا پہونچا وہ اُدھر تو اِدھر آیا — جان آگئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بھائی سے بڑھکر جو وغا کرتا تھا بھائی — بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی — ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آہ — بھائی میں کھنگالوں بھی انکو جو ملا
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب — سینہ میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیما
ہم لوگ محق کیا نہیں اس آب رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

(۲۳۰) کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام — ہے خشک زباں تو کوئی پانی ہے کہاں
اب جلد چلو آئے تو کوثر کا پئیں جام — غش ہم کو بھی آجائیگا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں ابھی تکتی تھیں مرواں کی شیفتہ سے لڑائی
چپکے سے ہوا تاں در خیمہ پہ کھڑی تھی

ڈوبے ہوئے تھے شام کے جنگل میں دو ماہ | پردے میں کھڑی تکتی تھی زینبؑ سوئے جنگاہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہ ذیجاہ | اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

عباسؑ نے کی عرض کلیجا ہے دوپارا | انکو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے شہ مجھکو نہ اکبرؑ کو پکارا | جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا انکو
چھلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا انکو

حضرت نے کہا صاحب عزت ہیں وہ دونوں | نخیت جگر شاہ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغام نیستان شجاعت ہیں وہ دونوں | واللہ بڑے صاحب ہمت ہیں وہ دونوں
دو دن کے تو کیا ہیں جو کروروں ہیں گھر ینگے
[illegible] وہ نہ پھرے ہیں نہ پھرینگے

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمؑ ذیجاہ | اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
ہے دونوں کی فرقت کا بہت صدمۂ جانکاہ | لاکھوں میں ہیں تنہا یہ بھی آل کے ہمراہ
رستے پہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انہیں لاتا ہوں اعدا کو بھگا کر

(۴۴۵) گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری — سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری — بتلاؤ تو میں اُنکی ہوں عاشق کہ تمہاری

میداں کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر — مر جاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمؑ دلگیر
دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر — سمجھاؤں میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیرؑ

باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لیے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں؟

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی — سر پر مرے دُنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی — کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی

کیوں روؤں میں دُنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

(۴۴۶) یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے — لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے — وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے

پامالی کو ان دونوں کے اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرّانے لگے حضرت عباسؓ — گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی پہ تھیں پاس — سب نے کہا او شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہِ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

(۲۵۰)
ہے ہے کا جو اک شور ہوا اُن میں بپا — زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلّائی ارے چپکی رہو غل ہے یہ کیسا — بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

بانو یہ کہیں سب سے کہ سنبھلا نہ دلِ زار — تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار — جہاں کوئی ساعت کے لئے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبرؐ — ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہِ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آ کر — بالیں پہ مرے آئے ہیں کیا چچا کو برادر
مشتاق تھے تم سیدِ ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سن کر یہ صدا عشق سے جو چونکا وہ دل افگار	دونوں نے رکھا سر قدم شاہ پہ اکبار
اکبر سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار	دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
رو بیٹھیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے وہ پیارے	بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیر پکارے	ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمھارے

پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

شہادت حضرت قاسمؓ

جب حضرت زینبؓ کے پسر مر گئے دونوں — تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں (۵۷۴)
چھوٹے تھے مگر نام بڑے کر گئے دونوں — دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں
زہراؓ کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؓ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؓ

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی — نہ روئی نہ ماتم کیا نہ خاک اڑائی
منہ سے نہ کہا یہ کہ لٹی کس کی کمائی — پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
سمجھی نہ کہ دنیا سے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

ان باتوں پہ زینبؓ کی حرم کرتے تھے ماتم — میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
کچھ مشورہ تھا اکبرؓ و عباسؓ میں باہم — قاسمؓ کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم
پر شدتِ گریہ سے نہ یارا تھا سخن کا
منہ ماں کا کبھی تکتے تھے اور گاہ دلہن کا

مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری چپکے رہو گھونگھٹ میں دولھن اکرتی ہے
کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں پیاری کچھ آپ سفارش کہیں اب ان سے
اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذن وغا دیں
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

فق ہوگئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر بانو سے کہا ہائے مرے بیٹے کی
خاموش تھی گھونگھٹ میں دولھن صورت تصویر دولھا کا سخن سن کے کلیجے پہ
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ منھ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

(۴۰۱) دولھا نے جو دیکھا کہ دولھن غم سے ہے مضطر چھلنے لگے سینہ پہ غم و درد سے
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور جھک کر کہا زانو سے اُٹھاؤ
شرمندہ ہو تمھیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمھیں گھر سے نکلتے سائے کی طرح پاس سے اک آن
اس غل سے کف پاے سدا آنکھوں کو ملتے کیا کیجئے ہیں تیغ چچا جان
شو بار ہوں صدقے تو نہ حق اُن کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ — کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجیے شاہا
لپٹا کے گلے سے اُسے شبیر نے کی آہ — فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمہ چچا کا
پر خیر چچا بیکس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

جوں ہی سن کی رضا شاہ نے جب ابن حسنؑ کو — اک عید ہوئی مرنے کی اُس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو — اعدا نے کہا دیکھ کے اُس شیر شکن کو
نورِ حسنؑ چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شان اسد اللہؓ یہ جواں ہے

شمع حرمِ شہ میں نرالی تھا قدِ بالا — پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اجالا
شانے پہ کماں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا — اک حسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

حیراں تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے — گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
ابروؤں کی ہیبت ہے یا حسن کا گھر ہے — پلکیں ہیں کہ سرپنجۂ شہباز نظر ہے
یاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

حسنِ حسنؑ و شانِ حسینی ہے نمودار | کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار | کرتی ہے زرہ خوبیِ اندام کو اظہار
باندھا ہے کمر بند شہ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پر حسنؑ سبز قبا کا

فانوس میں ہے شمع کہ ہے زخت بدن میں | رخسار ہیں گیسو میں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو جھپکا جو آئے ہے رن میں | سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گزرے گی اُس دل پہ یہ فرزند ہے جس کا

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی اک بار | تیغوں کی اُٹھی موج میانِ صفِ کفار
ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار | بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
چمکا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

اک برق اجل فوجِ ستمگار پہ آئی | تیغ آئی کہ آفت سرِ کفار پہ آئی
عاری کیا اُسکو بھی جو تلوار پہ آئی | دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے
یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمتِ عالی — حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی
تلوار نے آفت سرِ کفّار پہ ڈالی — لڑنے کے لیے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ زمیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زیں پر

۲۴۷ اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفِ اوّل — دو ہاتھ چلے تھے کہ اُدھر پڑ گئی ہلچل
اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل — سر کٹ گئے یہ برچھیوں والوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے
اک نیزہ[1] سر اُن لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

سمجھے یہ کہ نادار کو رخِ جنگ سے پھیرا — بھاگے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا — نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
ہیں دست بقبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
غوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

تھا مضطر و حیراں عمرِ سعد ستمگر — پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آکر
نہر داروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر — دریا تلک آ پہنچا ہے بخت دلِ شیر
اُس شیرِ غضبناک کو ڈر کا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو [illegible]

[1] یعنی ایک نیزے کے فاصلہ پر ۱۲

کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں — کس ڈھال پہ شمشیر شرر بار کو روکیں
تلو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں — تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برق جہندہ ہے تو اک سیل فنا ہے

گھبرا کے کہا اس نے کہ ارزق کو بلا لا — آیا وہ جفا کار سنبھالے ہوئے بھالا
بولا یہ عمر ہو گیا لشکر تہ و بالا — گھوڑے کو مگر تو نے یہ سب سے نکالا
جا کر کوئی اس صفدر جرار کو مارے
نزدیک ہے آ کر کسی سردار کو مارے

ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام — سو بار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام — دولھا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
شور آب دم تیغ کا اس کے لب جو ہے
گر یاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے

یوں کہنے لگا چیں بجبیں ہو کے وہ مغرور — لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
اس فوج میں تو گو کہ حکومت پہ ہے مامور — یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہو جاؤں گا بدنام شجاعان عرب میں

مجھسا نہیں عالم میں کوئی اور جواں مرد ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
جلاّدِ فلک کا ہے مرے خوف سے منھ زرد پتلوں جیسے میداں میں زمیں سے عدو اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سرمہ ہو اگر گرز گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب پنجہ سے جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
چھیدوں دلِ ارژنگ جو کروں تیر کو پرتاب تلوار جو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو واں جنگ کروں میں

بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان شبیرؑ کا یہ فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
رہتا ہے لڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان جانباز کئی مر کر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھنچی ان کی تو سر تن سے جدا ہیں
یہ ہاشمی و مطلبی قہرِ خدا ہیں

(۲۸۵) سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے سوفار کو چلّے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے بھاگے تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

ازرق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار — پر میں تو نہ لڑکے پہ کبھی کھینچوں گا تلوار
قتل اسکا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار — ردئیں تن و زور آور و نام آور و جرار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزند حسن رضہ کا

یہ کہکے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا — ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
تو زور میں ہمتل شجاعت میں ہے یکتا — یہ سن کے جفا جو نے لیا ہاتھ میں نیزا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بھاگے ہوئے بولے کہ چلا منہ میں اجل کے

نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار — قاسم اُسے رد کر کے پکارے کہ خبردار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفاکار — بجلی سی اُدھر سے بھی چلی تیغ شرربار
ے کے کسے ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوڑی نہ سناں تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر — خالی دیا اُس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دولہا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر — دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
نے تیغ نہ پنجہ نہ کلائی نظر آئی
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

(۴۹۰)

سر پر سے گرا خود دہشا وہ جو جھپک کر | تھے بال بڑے کھل گئے چہرہ پہ لٹک کر
قاسمؑ نے لپیٹا اُسے پنچے میں لپک کر | سر سے ہوا اونچا تو وہ پا گھوڑے پہ [illegible]
سمجھا تھا وہ کچھ چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا

ازرق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا | دن میں شبِ ستمگار میں کالا نظر [illegible]
سب کو رخِ قاسمؑ کا اُجالا نظر آیا | یہ چاند نظر آئے وہ ہالا نظر [illegible]
حیران تھے قوت پہ ملک ابن حسنؑ کی
اس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی

اک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی | اُس نے بھی لڑائی میں بہت جان [illegible]
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نوشاہ کے پائی | آیا وہ اُدھر سے کہ اِدھر سے اجل [illegible]
ڈھونڈھا کیے قاسمؑ بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
اک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

فرزند سوم فوج سے نکلا وہ بتیا شریر | تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھ [illegible]
دو ولد سے رہی [illegible] فنکی تادیر | تھا گرچہ زبردست پہ قاسمؑ [illegible]
وہ مدعا یہ کرتے تھے ہوا اسکا نبھا کر
[illegible] ہوا تھا شقی [illegible] ہوشوں کو چھپا کر

آیا وہ ستمگار سجے اسلحہ تن پر　　شانے پہ کماں رُخ پہ جھلم فرق پہ مغ[illegible]
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر　　بر میں تو زرہ اور کمر [illegible] میں خنجر
کف غیظ سے منھ میں سخن سخت زباں پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

نیزہ صفتِ مارِ سیہ ہاں منھ سے نکالے　　ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آئے کالے
تلوار کا منھ ایسا کہ فولاد کو کھا لے　　ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپا لے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آئینہ وہ تیغ کا منھ بند ہو جس سے

۱۵۰　چنگھاڑ کے رن میں صفتِ دیو پکارا　　کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے [illegible]
قاسمؑ نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا　　الفت ہو جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا
تو ازرقِ شامی ہے میں پوتا ہوں علیؑ کا

یہ کار ہے میدان میں پھرنے لگے مرکب　　رد کر دیا نوشاہ نے وار اُس کا [illegible]
بڑھتا تھا کوئی سبد نہ بنتا تھا کوئی ڈھب　　جرأت میں یداللہؑ جو تھے اور [illegible]
اُٹھتے تھے ستون گرد کے میدانِ بلا میں
چنگاریاں اُڑتی تھیں سناں سے ہوا میں

نیزوں کی ہوئی ردّ و بدل اُن میں برابر — تھک تھک گئے پسپا نہ ہوا وہ نہ یہ سر بر
گھوڑے بھی ہانکے دیو سے پسینے میں ہوئے تر — تھے غیظ میں نوشاہ تو غصے میں ستمگر

وہ گونجتا تھا شیر کے مانند اُدھر سے
یاں یا اسد اللہؑ کے نعرے تھے جگر سے

قاسمؑ پہ اُٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار — گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہ ابرار
اُٹھتے تھے سنبھل کر تو یہ چلاتے تھے ہر بار — عمو ترے قربان مری جان خبردار

طاقت تو نہ ہوگی تمھیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی انی سے

نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں — جلسے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
حلقے تھے کہ شانوں پہ سرکی تھیں کمانیں — لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں

تھی زد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لڑ کر
غصے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

(۵۰۵) قاسمؑ کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر — مشہور ہے دست ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر — اے طفل حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر

دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تو مرد ہے گر دو سہ میں سیلِ دواں ہوں

قاسم نے کہا تول کے شمشیر دو دستی — اک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی

پہنچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی — دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی

حاکم جو اُدھر ہے تو اِدھر شاہِ نجف ہے

شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

جل کھا کے ستمگار نے غصّے سے کہا ہاں — قاسم نے کہا آ یہی گو ہے یہی میداں

بولا یہ اُٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں — لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں

تھی پاس سپر بھی پہ نہ اُس وار کو روکا

نوشاہ نے تلوار پہ تلوار کو روکا

چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو دکھائی — ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی

اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی — ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اُٹھائی

احسنت کا غُل فوج کے انبوہ سے اُٹھا

معلوم ہوا ابر سیہ کوہ سے اُٹھا

واں سر پہ چمک کر جو وہ برقِ اجل آئی — مثلِ غضبِ خالقِ عزّ و جل آئی

گردن سے جو تیغ [illegible] گئی زیرِ بغل آئی — کھینچا جو بغل سے تو کمر سے نکل آئی

پہلے تو [illegible] نظر آیا

دو ٹکڑے سے [illegible] نظر آیا

(۵۱۰)

بجلی سی اٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر   للکار کے قاسمؑ نے کیا نعرۂ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کے لیے جھک گئے شبیرؑ   شادی سے ہوا سرخ رخِ اکبرِ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسؑ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

سچ کہتے ہیں شادی و غم خلق میں توام   معلوم نہ تھا یہ کہ نہ بچھے گی صف ماتم
دولھا پہ ادھر لوٹ پڑا لشکرِ ظلم   تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم
تیر آتے تھے سینہ پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

زخموں کا لگا خوں رکابوں سے ٹپکنے   طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
پانی کے لیے تن میں لگی روح پھڑکنے   مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
سینے پہ سناں گرز لگا کاسۂ سر پر
تیورا کے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو   ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو   تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو
[illegible] کی [illegible] ہوئی ہے
پامال [illegible] کی [illegible] ہوئی ہے

اعدا کو بھگا کر جو لگے ڈھونڈھنے سرور — پامال ملے قاسمؑ نوشاہ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر — رو کر پسرِ فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تنِ صد پاش سے لپٹے
چلا کے حسینؑ ابن علیؑ لاش سے لپٹے

{●(•⊙•)●}

شہادت حضرتِ عباسؑ

(۵۱۵)

جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا — قبضہ کی طرف غیظ سے جرّار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا — کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

بےچین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے — کیا پیاس کی تکلیف سہی غنچہ دہاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے — لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے
ہم خلق سے پہلے نہ سفر کر گئے افسوس
جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس

کیا کیا یورشِ فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں — کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
دل کو تہِ شمشیرِ دو دم دیکھ رہے ہیں — یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
کس طرح نہ سینے میں الٹ جائے کلیجا
پتھر پہ یہ صدمہ ہو تو پھٹ جائے کلیجا

سوا ستم شکر کچھ نہیں سکتے   تلواروں سے کٹتا ہے جگر کچھ نہیں

دل غم سے لہو ہو گیا پر کچھ نہیں سکتے   خوں آنکھوں میں آتا ہے مگر کچھ نہیں

دنیا غم نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے

کیا جانے مرے مرنے میں کیا دیر ہوئی ہے

یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار   قیدوں سے دم مرگ

فرمایا تھا خادم سے برادر نے بتکرار   ... یاد دلا دو

جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی

ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی

(۲۴۰) تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے   ٹپکا کیا چہرے پہ

کچھ بس نہ چلا حکم شہنشاہ امم سے   دیکھا کیے کیا خوب

کیا غم کے عوض تیر و سناں کھا نہ سکے ہم

پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم

ناگاہ یہ میداں سے پکارے کئی گمراہ   شادی کہ ہوئی

نعرہ کیا اکبر نے بہ مثال اسد اللہ   باقی ابھی دو شیر

تولے ہوئے شمشیر دو دم آتے ہیں رن میں

ہشیار کہ اب جنگ کو ہم آتے ہیں رن میں

سر دینے کو آئے گا مرے بعد وہ جرّار　　جو لشکرِ اللہ و نبیؐ کا ہے علمدار
بازوئے شہِ دیں خلفِ حیدرِ کرارؑ　　کونین میں مشہور ہے جس شیر کی تلوار
وہ سیلِ فنا خوں میں ڈبو جائے گی سب کو
حیدرؑ کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ خوش اطوار　　سمجھے کہ چلا مرنے کو شبیرؑ کا دلدار
شبیرؑ کے قدموں پہ گرے آن کے یکبار　　حضرت نے کہا کیا ہے ارادہ مرے غمخوار
کی عرض کہ جینے سے دل اب سیر ہے آقا
خادم کی سرافرازی میں کیا دیر ہے آقا

شہزادۂ عالم کی سنی آپ نے تقریر　　ہے پہلے علمدار سے مرجانے کی تدبیر
میں ذبح ہوا جاتا ہوں بے خنجر و شمشیر　　للہ انھیں روکئے یا حضرت شبیرؑ
موقع نہیں مرنے کا ابھی ان کے لیے ہے
آقا یہ غلام آپ کا کس دن کے لیے ہے

میداں میں یہ مرنے کیلئے جائیں میں دیکھوں　　تیغ و تبر و تیر و سناں کھائیں میں دیکھوں　　۵۲۵
مقتل سے انھیں آپ اٹھا لائیں میں دیکھوں　　شہزادیاں خیمے سے نکل آئیں میں دیکھوں
آقا کی سپہ کو کوئی بزدل تو کہے گا
یہ صبر تو ناکام سے کبھی ہم سے سہے گا

شہ بولے نہیں شاق ہے دونوں کی جُدائی گر ایک بھی بچھڑا تو ہماری اجل آئی
پاؤں گا کہاں تم نے اگر جان گنوائی فرزند تو ممکن ہے پہ ملتا نہیں بھائی
اصغرؑ ہے اگر اکبرؑ مہرو نہ ملے گا
تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

جس دن سے حسنؑ گلشنِ ہستی سے سدھارے واللہ کہ جینے کے مزے اُٹھ گئے سارے
جب تم کو جواں حق نے کیا اے مرے پیارے زور آ گیا ٹوٹے ہوئے بازو میں ہمارے
قوّت تمہیں دل کی تمہیں طاقت ہو جگر کی
کیونکر تمہیں کھوؤں کہ نشانی ہو پدر کی

ہوتا ہے بڑا بھائی کو بھائی سے سہارا بھائی بھی وہ بیٹوں سے زیادہ جو ہو پیارا
چھوڑا انہیں تم نے تو کبھی ساتھ ہمارا تکلیف کرو چند نفس اور گوارا
گھبراؤ نہ دنیا سے سفر ساتھ کریں گے
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ مریں گے

سر دینے کی اکبرؑ کو جو عجلت ہے تو جائیں ہم خوش ہیں بھلا جا کے رضا ماں سے تو لائیں
گر اُن کو گوارا ہو تو زینبؑ کو رولائیں جنت میں پہنچ کر کہیں راحت بھی تو پائیں
دو دن سے مرے ساتھ گرفتار محن ہیں
اب اُن کو نہ رد کو کہ بہت تشنہ دہن ہیں

۵۳۰

سُن کر یہ سخن رونے لگے حضرتِ عباسؓ — کی عرض کہ خیر اب ہمیں رخصت کی ہوئی یاس
پیچھے وہ رہے ہوئے علم فوج کا جس پاس — تقدیر کرے یوں نہ کسی شخص کو بے آس
بابا سے ندامت مری قسمت میں لکھی ہے
زہراؓ سے خجالت مری قسمت میں لکھی ہے

فرمائیں گی عباسؓ نے جان اپنی بچائی — یہ کون کہے گا کہ رضا رن کی نہ پائی
جو آپ کی مرضی مرا کیا زور ہے بھائی — اچھا علی اکبرؓ کی بھی دیکھیں گے جدائی
جینے کی تو اب دل سے خوشی فوت ہے آقا
یہ زیست نہیں ہمارے لیے موت ہے آقا

تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت — غیروں نے کیا سر سے ادا حق رفاقت
ہاں سچ بھی ہے اے گوہر دریائے صداقت — اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجھکو لیاقت
حاضر ہے یہ شمشیر دو دم بھی انھیں دیجیے
رخصت جنھیں ملتی ہے علم بھی انھیں دیجیے

مطلب نہ علم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام — اب ہے نحیف اور گریہ و زاری سحر و شام
لشکر کا نشاں پائے بھی قسمت میں تھا نام — افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام
قسمت ہی بری ہے نہیں تقصیر کسی کی
یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی

یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری　　اشک آنکھوں سے نرگسِ صفت ابر بہاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری　　اچھا وہی ہوئے گا جو مرضی ہو تمہاری

آزردہ نہ ہو منھ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ سہیں گے

(۵۳۷) یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ　　عباسؑ بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
فضہ نے کہا زینبؑ دلگیر سے ناگاہ　　میدان سے آتے ہیں ادھر سید ذیجاہ

ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے

زینبؑ نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر　　ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فضہ نے کہا پیچھے ہیں عباسؑ دلاور　　فرمایا نہیں کچھ بھی سبب گریہ کا سرور

رونا نہیں بے وجہ جگر بندِ نبیؐ کا
سامان یہ ہے رخصتِ عباسؑ علی کا

یہ سن کے اڑا رنگ رخِ آلِ پیمبر　　بانوئے علی اکبرؑ کے لیے ہو گئی مضطر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسؑ دلاور　　کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے دختر حیدر

بولیں کہ یہ کیوں حال دگرغیر ہے بی بی
کھل جائے گا جو ہوئے گا اب خیر ہے بی بی

یہ کہہ کے چلی جانبِ درِ شاہ کی ہمشیر　　داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرتِ شبیرؑ

دیکھی جو بھی دیر سے وہ حیادار سی تصویر　　کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر

اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبرؐ کی بلائیں

اک ہاتھ سے عباسؑ دلاور کی بلائیں

خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا　　جوڑی یہ سلامت رہے اے خالقِ یکتا

فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا　　بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا

یہ روتے ہیں جو ان انھیں سمجھاتے ہیں بہنا

بھائی تو نہیں چھوڑ کے چلے جاتے ہیں بہنا

(۵۴۰　بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا مرے غم　　مل جائے رضا رن کی تقاضا ہے یہ ہر دم

سمجھاؤ تمھیں کچھ انھیں اے ثانیِ مریم　　مر جائے گا عباسؑ تو جینے کے نہیں ہم

یہ غیظ میں رکتے نہیں روکے سے کسی سے

کہتے ہیں چلا جاؤں گا روضہ پہ علیؑ کے

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا　　بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہوگا

ہے در پئے آزار و جفا لشکرِ اعدا　　اس وقت میں عباسؑ تمھیں چھوڑیں گے تنہا

حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے ہیں نہیں ہے

ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے

دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی — جرار و وفادار مددگار فدائی
غصہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی — کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
تھوڑے سے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دوں گی
رخصت کبھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دونگی

ساتھ ان کے اگر آج نہیں مادر غمخوار — پالا ہے انھیں گود میں کیا میں نہیں مختار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار — میں ان سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؑ
کیوں آپ ہیں بیتاب کہاں جاتے ہیں عباسؑ

حضرت نے اشارا کیا تم بھائی کو سمجھاؤ — زینبؑ نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
لیجا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ — تم کو سر زینبؑ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
تم پاس نہ ہوگے تو کدھر جائیں گے شبیرؑ
ہتھیار تو کھولو نہیں مر جائینگے شبیرؑ

(۵۴۵) عباسؑ نے رو کر کہا اے ثانیٔ زہراؑ — مر جانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہ والا — رک سکتے تھے جو میں پاؤں پہ آقا کے نہ گرتا
مر جانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
شبیرؑ نہ ہوں گے تو گھر آباد نہ ہوگا

خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا — فرمائیے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
نہ دین میں توقیر نہ دنیا میں ٹھکانا — جانا مرا بہتر ہے کہ شبیرؓ کا جانا

جتاروں کے سر جسم یہ محسن کے لیے ہیں
اچھا جنہیں پالا ہے وہ کس دن کے لیے ہیں

گر مرے گر قتل ہوے حضرت شبیرؓ — صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی ہمشیر
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہر دلگیر — مر جاؤں میں اکبرؓ پہ جو تولے کوئی شمشیر

اس گھر کی غلامی مجھے منظور نظر ہے
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے

روکو نہ مجھے سید ابرار کا صدقہ — سر دیجیے دو کونین کے سردار کا صدقہ
سعی کرو حیدرؓ کرار کا صدقہ — دلوا دو رضا احمد مختار کا صدقہ

میداں میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
اکبرؓ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا

یہ سوچ کے زینبؓ نے کہا ہاے مقدر — دلوا دوں رضا بھائی سے میں بھائی کی کہو کیونکر
ان کا یہ اصرار ہے واں روتے ہیں سرور — جینے کے نہیں جبر سے راضی بھی ہوے گر

سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہ زمن نے
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے

(۵۵۰)

ہاں رخصتِ اکبرؑ ہو تو ہو ان کو گوارا — فرزند انھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
اکبرؑ بھی جدا ہونے کا جی کو نہیں یارا — کیونکر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمہارا
اوّل تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے
مانا بھی تو کیا جانیے کیا حال کریں گے

یہ کہہ کے گئی خیمہ کے قریں زینبؑ بے پر — عباسؑ بھی ہمراہ تھے منہ موڑے ہوئے سر
حضرتؑ نے اشارا کیا کیوں کیا ہوا خواہر — کی عرض نہیں مانتے عباسؑ دلاور
منظور نہیں صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر

روتے ہیں کہ ہمچشموں میں اب ہوتا ہوں محجوب — معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اسلوب
خیر اب وہی کیجیے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب — حضرتؑ نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
تنہائی کا غم کچھ نہیں راضی بہ رضا ہیں
بندے کے تو سب امر محوّل بہ خدا ہیں

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباسؑ — سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب یہ بصد یاس — کیا کہتی ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس
منہ شہ سے وہ موڑیں گے نہ مانیں گے کبھی ہیں
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں

پانی کے لیے وہ تمہیں ہاتھ سے کھو دوں　　میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبو دوں
شب ہوے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں　　اب روتی ہوں پانی کے لیے پھر تمہیں پا ؤں
ہے ہے شہ بیکس کا رُلانا نہیں اچھا
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباسؑ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ　　بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جا
قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ　　تم بھی پیو اصغر کو بھی چلو سے پ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھاؤ تو جگر سرد ہو میرا

(٥٩٠) کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر　　کیا کہتے ہیں سنتے ہو چچا جان کی
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر　　اب مشک بھی لا دو انہیں جو ہو
روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

یہ سن کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم　　آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم　　عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

حجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہوّر بہم آئے

چوما ظفر و فتح نے دامانِ علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

اسواریِ غمخوارِ امامِ زمن آئی
یا بادِ صبا ناز سے سوئے چمن آئی
جب گرد اٹھی بوئے گلِ یاسمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور سے دلھن آئی

آمد پر دولت پہ ہوئی کبک دری کی
مرغانِ ہوا بھول گئے چال پری کی

گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسؑ فلک جاہ
روحِ اسد اللہ چلی شیر کے ہمراہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے جنگاہ

اس سج کا جواں غرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدرؑ میں اور اس میں سر مو فرق نہیں ہے

(۵۶۵)

چہرے نے عجب نور کی صورت میں دکھائی
گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی
ذرّوں نے ستاروں کی چمک بن میں دکھائی

غیرت سے سفیدی تھی رخِ چرخ بریں پر
نقشِ سمِ توسن مہ کامل تھا زمیں پر

جادہ کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کاہکشاں ہوں — کرتی ہے زمیں ناز کہ میں نور فشاں ہوں
پلہ مرا بھاری ہے کہ رتبے میں گراں ہوں — فرزند علیؑ جس کا مکیں ہے وہ مکاں ہوں
کیا اس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بہتّر ہیں وہاں ایک قمر ہے

اسنا وہ ہے یہ ماہ بنی ہاشم ذی قدر — دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر — یہ عارض و گیسو سحر عید و شب قدر
یاں کون سی نسبت ہے ترے شمس و قمر کو
اک رات کو قرباں کروں ایک سحر کو

ناگہ نظر آیا علم دیں کا پھریرا — پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا — گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہونچا
لو سامنے بپھرا ہوا شیر آن ہی پہونچا

یہ شور ہے کہ سقا ہے حرم آتا ہے رن میں — پانی کے لیے ابر کرم آتا ہے رن میں
[illegible] آتا ہے رن میں — اسلام کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
[illegible] آتا ہے [illegible] علم کا
دیکھو [illegible] آتا ہے [illegible]

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہ علم نور — کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے سر حور — ہم پنجے ہو پہنچے ہے یہ کیا چہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سرسبزی افلاک پھریرا
تھا دامن مریم کی طرح پاک پھریرا

زر ریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خرد مند — یہ ہاتھ سخی کا ہے نہوئے گا کبھی بند
تھی اسکی ضیا آئینہ مہر سے دہ چند — کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوج ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی
اوڑھے ہوئے اک سبز ردا حور کھڑی تھی

صف باندھے ہوئے محو تماشا تھے ستم آرا — جو حضرت عباس نے بڑھکر یہ پکارا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا — ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
دعوے ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

گھبرا کے بڑھا جو عمر سعد بد انجام — عباس سے کی عرض کہ اے صاحب صمصام
سن لیجیے کچھ شام کے حاکم کا ہے پیغام — پھر آپ تلک آتے ہوئے ڈرتا ہے اندام
جھنجھلائے ہوئے حضرت اندیشہ ہے جاں کا
ہیں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

کی چیں بجبیں ہو کے یہ عباسؑ نے تقریر　　پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکمِ بے پیر
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مرے حضرتِ شبیرؑ　　شیوہ ہے تمہیں لوگوں کا یہ حیلہ و تزویر
ہے کام وفا سے ہمیں اور ہم سے وفا کو
فرزندِ علیؑ ننگ سمجھتے ہیں دغا کو

(۵۷۵) گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بیکار　　میں کہتا ہوں مانیں گے نہیں سیدِ ابرار
دو بھانجے مارے گئے اک بھائی کا دلدار　　صدمہ یہ اُٹھایا ہے کہ ہیں زیست سے بیزار
کھل جائے گا شمشیر و سپر باندھ چکے ہیں
وہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھ چکے ہیں

کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی　　سچ ہے کہ نہ سمجھے گا نہ یہ اللہ کا جانی
پیارے آپ گنواتے ہیں عبث اپنی جوانی　　کوئی تو رہے خلق میں حیدرؑ کی نشانی
غصے کے نہ اندوہ کے نہ طیش کے دن ہیں
راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں

کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارا　　چھوٹا ہے ابھی عمر میں فرزند تمہارا
جب آپ نے دی جان تو گویا اسے مارا　　عباسؑ جدائی کرو بھائی کی گوارا
مابینِ لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
بھائی کوئی بھائی کے لیے مر نہیں جاتا

یہ سنتے ہی تھرّانے لگا شیر کا اندام — غصے کے سبب سرخ ہوئی چشمِ سیہ فام
قبضے کو جو دیکھا تو اُگلنے لگی صمصام — فرمایا کہ ظالم مجھے دیتا ہے یہ پیغام
شاید نہیں آگاہ مرے جد و پدر سے
ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زہرا کے پسر سے

بس دور ہو آگے مجھے سننے کی نہیں تاب — سر تن سے اُتاروں ترا او ظالم کذاب
میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہے کون سا آداب — کیا قدر پھر اُسکی ہے جو موتی کی گئی آب
رتبہ یہ ہے یہ سب شاہِ ولایت کا تصدق
ہم جانتے ہیں جان کو عزت کا تصدق

آگے مرے تو ذکرِ پسر کا مرے لایا — شبیر کے بچوں پہ تجھے رحم نہ آیا (۵۰۰)
اصغر سے تو ہے سن میں زیادہ مرا جایا — پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا
دل سینے میں ٹکڑے ہو کہ صدمہ ہو جگر پہ
سو بیٹے ہوں تو صدقے کروں اُنکے پسر پہ

بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی — جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی — آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی
نسبتیں بھی باہم زن و شو میں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی ایسوں کی قریں ہوتی ہیں اکثر

عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا بلبل کو کبھی گُل کی جُدائی ہے گوارا
قمری کو بجز سرو چمن کون ہے پیارا گردن سے کبھی طوق غلامی نہ اُتارا

سر تن سے جدا ہو پہ نہ جانا نہ جُدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

فرزند محمدؐ ہے مرا مالک و مختار فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں ہتھیار
کہہ دیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اکبار گر حکم وغا دیں تو کروں لاکھوں سے پیکار

رستم ہوں تو اُن کا ہوں جو صفدر ہوں تو اُنکا
بندہ ہوں تو اُنکا جو برادر ہوں تو اُن کا

کہنے پہ چلاؤں تجھ سے خفا ہو کے ز ہے فہم دوں رنج میں دل کو شہ خوشخو کے ز ہے فہم
پہنچے اُنھیں دُکھ ہاتھ سے بازو کے ز ہے فہم آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے ز ہے فہم

ہٹ جا نہیں تیغ اب مری واللہ چلے گی
شیروں سے نہ یہ بازیِ روباہ چلے گی

(۵۸۵۱) میں حشمت دنیا کی تمنا نہیں رکھتا قطرے کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا
اعلےٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا چیتے سے علاقہ سرِ طوبیٰ نہیں رکھتا

کافر کی طرف صاحب ایماں نہیں جاتے
بُتخانے میں کعبے سے مسلماں نہیں جاتے

خورشید کو محتاجیِ ذرّا نہیں ذرّا　　دینداروں سدا کرتے ہیں کافر پہ تبرّا
ظالم ترے حاکم کو ہے کس بات پہ غرّا　　اسلام سے عاری ہے تو ایماں سے معرّا

قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی
دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

کچھ خارِ مغیلاں گلِ تر ہو نہیں جاتا　　ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا　　مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

دولت نہیں انساں کی کچھ قدر بڑھاتی　　دنیائے دنی کام کسی کے نہیں آتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی　　بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہر ذاتی

محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

جو شاہ کہ سب خلق سے رتبے میں سوا ہو　　مولا و غلام اُس پہ فدا ہو کہ جدا ہو
تنہا ہوں تو کیا ڈر ہے جو لاکھوں ہوں تو کیا ہو　　لوں میاں سے شمشیر تو اک دم میں فنا ہو

غارت تمہیں کر دینے کو تیار ہے عباسؓ
بھائی کے مگر حکم سے ناچار ہے عباسؓ

(۵۹۰)

خود مجھکو قسم دی ہے کہ غصّے میں نہ آنا — بھیّا نہ ملے راہ تو دریا پہ نہ جانا

اُمّت کی تباہی پہ کُڑھینگے مرے نانا — اُن کا تو یہ رحم اور تمھارا یہ ستانا

دو دن سے نہیں پانی کی اک بوند ملی ہے

ہے سخت تعجب کہ یہ کیا سنگدلی ہے

ظالم نے کہا تب کہ نہیں ملنے کا پانی — نقصان تھا کیا بیعتِ حاکم جو نہ مانی

تھرّا گیا یہ سُن کے یدُاللہ کا جانی — فرمایا زباں روک بس او ظلم کے بانی

جس وقت بڑھیں پھر کہیں دم لیتے ہیں دریا

نے دیکھ ابھی حملے میں ہم لیتے ہیں دریا

ہاں تیغِ جگر بند علیؑ میاں سے نکلی — کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی

فریاد دلِ قوم بنی جان سے نکلی — اک تازہ پری تھی کہ پرستاں سے نکلی

غل تھا کہ یہ کس جسم کا پرتو نظر آیا

حیرت ہے کہ دشمنوں کو یہ نو نظر آیا

حملے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی — خوں پی کے برِش تیغ نے پائی تھی غضب کی

ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی — اس شُستہ کی صفائی پہ دکھائی تھی غضب کی

چلنے میں مزا تھا [illegible] حسین کا

[illegible] تھا جبیں حسین کا

کیا قہر تھا شمشیر کے ابرو کا اشارا اک چشم زدن میں اسے مارا اُسے مارا
نہ بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا
گر بچ گیا یہ اسکی بلا ٹل گئی اُس پر
منھ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اُس پر

(۵۹۵) کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ لپکنا شعلہ تھا مجل گرد تھا بجلی کا چمکنا
وہ دیدۂ جوہر سے خفا کاروں کو تکنا گویا تھا تماشا اُسے کشتوں کا پھڑکنا
ندی کے قریب خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

بجلی کا چلن شعلہ کی خو سرکش و بیباک صرصر سے سبک دست گراں قیمت و چالاک
خونخوار و خونبار ستم پیشہ و سفاک کج باز سر انداز ترش رو و غضبناک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی

بسمل ہوا جسکو لچک اسکی نظر آئی بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی
چو رنگ کیا اُسکو اُسے آٹھ کر آئی اٹھکھیلیاں کرتی ادھر آئی اُدھر آئی
حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
بیدم کیا لاکھوں کو اِسی عشوہ گری میں

ڈرا دے کے ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری	اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری	خوں اتنے کیے اور گنہگار نہ ٹھہ

مجرم رہی سرکش رہی بیباک رہی وہ
دھبا نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

خاک اڑ گئی اس صف کی جدھر سنسناتی چلی وہ	خود و سر و زرہ کاٹ کے جوشن پہ
دو کر کے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ	اسوار کا گرنا تھا کہ توسن پہ

تھی ریت میں جب توسنِ چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

(۲۰۹) نہ ڈھال پہ نہ سر پہ نہ توسن پہ رکی وہ	سینہ پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رکی
نہ سنگ نہ اسوار نہ آہن پہ رکی وہ	نہ زین نہ پاکھر پہ نہ توسن پہ ر

یہ چاشنیِ خونِ عدو بھا گئی اس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اس کو

آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی	بجلی تھی کٹاری تھی قرولی تھی قضا
رد کے کوئی کیا وار نہ تھی سیلِ فنا تھی	پیشہ تھا وہ ظالم کا لہو جس کی

بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اس کی نہ تھی مانگ نکالی تھی پری نے

ک آنت تو شکر سفاک پہ آئی — جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
کہ برق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی — دو ہو گیا جس ظالم ناپاک پہ آئی

ہر صف کا یہ احوال تھا اُس تیغ دو دم سے
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

رہوار سُبک سیر نسیم سحری تھا — ہم پیکر طاؤس دم جلوہ گری تھا
تن تن کے اُٹھانے میں قدم کبک دری تھا — کاوے میں جو یہ کار تو اُڑنے میں پری تھا

رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اُس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاہکشاں پھولوں سے حلقۂ گردن — سُم بدر تے اور نعل مہ نو سے تھے روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر کی چتون — تاب اُسکی طلب یا نچہ تھا جن کا پے دشمن

مستی سے نخوت جو وہ مغرور ہوئے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

لڑتا ہوا پہنچا لب دریا جو وہ جرّار — تھا دوش مبارک پہ علم ہاتھ میں تلوار (۶۰۵)
کُہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار — چھیڑا جو ذرا اُڑ کے گیا نہر میں رہوار

دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسؓ خوش اطوار — بھولے نہ مگر تشنگیِ سیدِ ابرار
اُس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار — پانی سے اُٹھائے رہا مُنھ اپنا وہ رہوار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
ہمت اُسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

ڈھیلی کی لگام اسکی کئی بار یہ کہہ کر — تو پی لے کہ پھر پانی نہوئے گا میسّر
کی عرض کہ اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر — دو روز سے ہے تشنہ جگر آلِ پیمبرؐ
پانی پیے کس طرح علمدار کا گھوڑا
پیاسا ہے ابھی سیدِ ابرار کا گھوڑا

یہ سُن کے علمدارؓ کی آنکھیں ہوئیں پُرنم — سیراب کیا مشک سکینہؑ کو بصد غم
مُنھ باندھ کے تسمہ سے رکھا دوش پہ جسدم — کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
یارب میں بہشتی ہوں پیمبرؐ کے حرم کا

یہ کہہ کے چلے نہر سے عباسؓ فلک جاہ — جاری تھا زباں پر کہ توکلتُ علی اللہ
پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے بدراہ — غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباسؓ
خود ڈوب کے اس نہر میں مرجائیں گے عباسؓ

(١٠)
ساحل پہ ہوئی قتل علمدار کی تدبیر — ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے ملے تیر
تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر — عباس بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
یوں آتے تھے ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا — بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا — دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
تلوار اٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا

یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی — لاکھوں ہوں تو ہر دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی — جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
رکتے نہیں یوں حکمِ خدا روکے تو رکے
کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو روکے

یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور — بستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشقِ داور — وہ جاتا ہے دریائے شجاعت کا شناور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا

ڈولا کو سگ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
جو بھاگ گئے تھے اُن لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے نیزوں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دُعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

(۶۱۵) لڑتے تھے وہ انبوہ ہوتا تھا مگر کم اُمنڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ ظالم
ہاں جانے نہ دیتا یہی غل ہوتا تھا ہر دم واں عشق میں سکینہؑ بھی حرم کرتے تھے ماتم
شمشیر بکف اکبرؑ ذیجاہ کھڑے تھے
ہاتھوں سے کمر پکڑے ہوئے شاہ کھڑے تھے

فرماتے تھے اکبرؑ سے یہ رو رو کے شہ دیں اب کیا کروں اعدا میں گھرے ہیں مرے عباسؑ
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ ہو پیاس سے بے ہوش آ نہ نہیں دیتے مرے بھائی کو مرے پاس
دُنیا سے مٹاتے ہیں نشانی کو علیؑ کی
مارا ہمیں اُمت نے دُہائی ہے نبیؐ کی

گھبرا کے یہ ڈیوڑھی سے سکینہؑ نے پکارا کیوں روتے ہو بابا کسے مارا کسے مارا
چلا نے لگے شہ دیں کہ نہیں صبر کا یارا سقا نے حرم چھوٹتے ہیں ساتھ ہمارا
جینے کا مزا فرقتِ عباسؑ نے کھویا
ہے ہے مرے بھائی کو تری پیاس نے کھویا

منھ کر کے سوئے نہر وہ پیاسی پکاری — دریا سے چلے آؤ چچا تم پہ میں واری
تم خالی ہی لاکر ہمیں دو مشک ہماری — بابا کی سنی جاتی نہیں گریہ و زاری
جلد آؤ کہ بیتاب امام دوسرا ہیں
ہم نے تمہیں پانی کو جو بھیجا تو خفا ہیں

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؓ — کیوں بیبیو بچے مرے کیا ہو گئے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئے یاس — اے وائے مقدر نہ سکینہؓ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا منھ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

عباسؓ سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ — آجائے گی پھر غش نہ سکینہؓ کو رلاؤ
ثابت ہے جو مرنا مجھے رنڈسالہ پنہاؤ — ڈیوڑھی سے چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ (۶۲۰)
خود کہہ گئے تھے وہ کہ سلامت نہ پھریں گے
عباسؓ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے

ماتم تھا ادھر گھر میں ادھر روتے تھے شبیرؑ — واں چلتے تھے عباس علیؓ پہ تبر و تیر
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر — ہر سمت سے امڈا ہوا تھا لشکرِ بے پیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس — ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
وہ فوج کا نرغا وہ ہجوم الم و یاس — ان سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباسؑ
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباسؑ

فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ — شمشیر بکف بیچ میں ابن اسد اللہ
پیچھے سے پڑی تیغ ستم دوش پہ ناگاہ — شاخ شجر باغ علیؑ قطع ہوئی آہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغ دو دم کے
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے

گرنے لگا جس دم علم سیّد والا — عباسؑ نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینہ پہ بھالا — تب آنکھیں ہوئیں بند منہ سے لہو شیر نے ڈالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہو گیا سر حضرت عباسؑ علی کا

(۶۲۷)
کچھ گرز گرانبار کا صدمہ نہیں تھوڑا — سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا — پھر تیر نے مشکیزہ کو اور سینہ کو توڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوج عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

نوفل سے کیا شمرِ لعیں نے جو اشارا — وہ دستِ علمدار اُٹھا کر یہ پکارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا — دیکھے انھیں کس جا ہے یداللہ کا پیارا

تلواروں سے تصویر مٹائی ہے یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہے یہ کس کی

بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ — تھرّانے لگے غیظ سے ابنِ اسداللہؑ
اتنا تو کہا مر گئے عباسِؑ علی آہ — تیغ دوزباں کھینچ کے دوڑے شہِ ذی جاہ

یاں بنتِ علیؑ کوٹ کے سینہ نکل آئی
سب بیبیوں سے پہلے سکینہؑ نکل آئی

عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا — کیوں نکلی ہیں بہن تم کسے مارا کسے مارا
وہ کہتی تھی رونے دو نہیں صبر کا یارا — اے بھائی بہشتی مرا کوثر کو سدھارا

چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

فرزند کو بابا کی خبر سن کے غش آیا — گودی میں اُسے دوڑ کے فضہ نے اُٹھایا
دریا پہ جو پہنچا اسداللہ کا جایا — واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا

آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کیے تھے
تیروں سے چھدی مشک کو پہلو میں لیے تھے

(٦٣٠)

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہ ابرار — صدقے میں ترے لے مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھی تیروں سے ہر چشم گہربار — عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امام دو جہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ — عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گو ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ — یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر — کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقت تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرت شبیرؑ — امید یہ ہے رحم کرے مالک تقدیر
آگے مرے روئے خلف شاہ نجف ہے
اس وقت تلک منہ مرا قبلے کی طرف ہے

سب کام مرے آپ کے صدقے ہیں بن آئے — وہ فاطمہؑ آئیں شہ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولِ زمن آئے — سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے
کلمہ جو پڑھا ہونٹھ علمدارؑ کے تھرائے

دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے
سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے

وا نوحۂ شہ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ
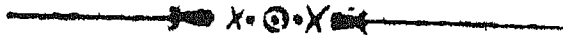
شہادتِ حضرت علی اکبرؓ

دولت کوئی دُنیا میں پسر سے نہیں بہتر　　راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذّت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر　　نکہت کوئی بوئے گلِ تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی رَوح یہی رُوح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے　　وہ گُل ہے کہ گھر رشکِ گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے　　آبادیِ کاشانۂ انساں ہے اسی سے

کس طرح کھُلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے　　یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پُرنور مکاں رہتا ہے جس سے　　وہ دُر ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے

کھوتے نہیں یہ لال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

یوسف کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے — فرقت ہوئی یعقوب کو اس رشکِ قمر سے
رنگِ رخِ پُر نور اُڑا دردِ جگر سے — دُنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنویں میں تھا پدر چاہِ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب — بر میں دلِ مجروح تپاں صورتِ سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی نیند کا اسباب — فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے روئے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روئے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر — بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر — ملتا نہیں گم ہو گیا یوسف مرا دلبر
اب جان نکلتی ہے ملا دے مجھے کوئی
فرزند سے [illegible] ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو کر کفِ افسوس کو ملتے — ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ [illegible] نکلتے — گر ضعف سے گرتے کبھی اُٹھتے کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے نہ تھے اس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

سایہ میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے رونے   اشکوں سے کبھی قبر کے تقدیر جو اے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے   دریا سے یہ کہکر کبھی سر پہ بھلا خاک نہ ڈالے

اب اُسکی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مرا گوہر نایاب نہیں ہے

تکے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا   چلاتے تھے اے لال تو کس قبر میں سویا
یوسف تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا   خود گم ہوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں نے کھویا

کچھ تیرا پتا اے مرے مہرو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے   تو دیکھتے ہیں لوگ اُسے صبح کو سارے
گر دن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے   تو کونسی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے

حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جب جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

ہو گئے گیارہ تجھے پسر اور   آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
کی مصیبت پہ کرو غور   آقا پہ تمہارے ہوا کیا کیا ستم و جور

حقا کہ رضا جوئے خدا اور شہ دیں تھا
اُس لال کو کھویا کہ جو یوسف سے حسیں تھا

یوسفؑ کو عزیزوں [illegible] سر پہ چھپایا تھا — ہے دل کو یقیں منہ سے کلیجا نکل آتا
رنگِ رخِ [illegible] باپ سے دیکھا نہیں جاتا — اکبرؑ سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنواتا
ہوتا ہے قلق گل ہو اگر خار کے نیچے
رکھے تو کلیجا کوئی تلوار کے نیچے

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے — موت آکے نہ لیجائے یہ دولت کسی گھر سے
اٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگِ پسر سے — جاتا نہیں یہ داغ موئے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا
ہاں سبطِ پیمبرؐ کا حسینؑ ابن علیؑ کا

غیروں کے لیے اپنی کمائی کوئی کھو دے — دل باپ کا مانے کہ [illegible]
خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبو دے — فرزندِ جواں قتل
فرزند کا غم باپ ناشاد سے پوچھ
یہ درد کبھی صاحبِ اولاد سے پوچھ

دشمن کو بھی دنیا میں نہ اولاد کا غم ہو — سب دُکھ ہوں مگر آ
ماں باپ پہ صدمہ ہو مصیبت ہو ستم ہو — لیکن نہ جواں بیٹے کی
پھرتی ہے سدا شکلِ پسر دیدۂ تر میں
اک آگ سی ہر وقت بھڑکتی ہے جگر میں

افسوس کہ مادر جسے سو رنج سے پالے — سو کر دے اُسے قبر کے تقدیر حوالے
جس ماں کی نہ قسمت نے کچھ ارمان نکالے — کس طرح سے سر پہ وہ بھلا خاک نہ ڈالے
سب خاک ہیں جب گود کا پالا ہی نہ ہووے
اندھیر ہے جب گھر کا اُجالا ہی نہ ہووے

(۶۵۵) ہے باپ کو پیغامِ اجل رحلتِ فرزند — ہو جاتا ہے دل زخمی جدا جب ہو جگر بند
پیوند کلیجے کا ہو جب خاک کا پیوند — کیا خاک ہو وہ سوختہ جاں خرم و خرسند
کیوں بھڑکے نہ آتشِ دلِ صد چاک کے اندر
جو چھاتی پہ لوٹے وہ چھپے خاک کے اندر

شبیرؑ پہ ڈالی ہے فلک نے یہ مصیبت — فرزند جواں مانگتا ہے مرنے کی رخصت
نہوڑائے ہوئے سر کو کھڑے روتے ہیں شبیرؑ — ہے دھیان کہ لٹ جائے گی اک عمر کی دولت
کچھ سوچ کے جب دیکھتے ہیں روئے پسر کو
ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں شبیرؑ جگر کو

(۶۶۵) اب ہاتھ ذرا دل پہ رکھو صاحبِ اولاد — انصاف سے حضرت کی مصیبت کو کرو یاد
دولت پسرِ فاطمہؑ کی ہوتی ہے برباد — حضرتؑ کو تو ہے ضبط پہ دل کرتا ہے فریاد
یوں ہے جگرِ حضرتِ شبیرؑ تڑپتا
جس طرح ہے بسمل تہِ شمشیر تڑپتا

داماد کا ماتم ہے برادر کا الم ہے — خوں بہتا ہے آنکھوں سے کمر ضعف سے خم ہے
پھر اور اس اندوہ پہ یہ تازہ ستم ہے — ہمشکل پیمبر کے جواں مرنے کا غم ہے
نہ بیاہ ہوا ہے نہ ابھی پھولے پھلے ہیں
ارماں بھرے مرنے کو میداں میں چلے ہیں

مشکل ہے عجب طرح کی کچھ بن نہیں آتا — بیٹا نہیں جاتا ہے مزا زیست کا جاتا
ہے برچھیاں دل پر کوئی حضرت کے لگاتا — دم مارے قلق کے نہیں سینے میں سماتا
اک ایک گھڑی زیست کی دشوار ہوئی ہے
سو صدموں میں اک جان گرفتار ہوئی ہے

(۶۶) بیٹے سے کبھی کہتے ہیں خیمے میں تو جاؤ — کیا ماں کا ہے احوال ذرا دیکھ تو آؤ
جو قصد ہے زینبؑ کو ترے لال سناؤ — حق پالنے والی کا تو دل سے نہ بھلاؤ
رخصت کی تمہارے جو خبر پائیں گی اکبرؑ
سر ننگے پھوپھی گھر سے نکل آئیں گی اکبرؑ

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے قبلۂ عالم — بے آپ سے رخصت لیے جانے کے نہیں ہم
دشوار ہے ایک ایک گھڑی زیست کی ہر دم — واں جاؤں تو روکیں گی مجھے مادر پرغم
اس وقت کسی کا نہیں کچھ دھیان ہے بابا
اب مرگ جدائی ہی کا ارمان ہے بابا

شہ نے کہا ماں رونے کا اسکا نہیں ڈر ہے   اور دل کی ہمارے نہیں کچھ آہ خبر ہے
گریاں کیا وہ دل ہے تو ہمارا بھی جگر ہے   کیا میری تباہی تمہیں منظور نظر ہے
جو چاہے کہو جائے شکایت نہیں بیٹا
ہاں ماں کے برابر ہمیں الفت نہیں بیٹا

لو آؤ بس اب جسم مرے حال پہ کھاؤ   پیری میں ہمیں داغ جوانی نہ دکھاؤ
جلتا ہے جگر رحم کرو مرنے نہ جاؤ   روئے ہیں بہت اب ہمیں اکبرؑ نہ رلاؤ
الفت کو مری تم نہیں اے لال سمجھتے
اولاد جو ہوتی تو مرا حال سمجھتے

مارے گئے سب میرے عزیز اور ملازم   نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ عباسؑ نہ قاسمؑ
میں بھی چمن خلد کی ہوں سیر کا عازم   ماں بہنوں کی اب تم کو نگہبانی ہے لازم
آمادہ غارت کوئی جلاد نہ ہوگا
تم ہوگے تو گھر باپ کا برباد نہ ہوگا

۶۶۵
رونے لگے مظلومیٔ شبیرؑ پہ اکبرؑ   کی عرض کہ جینے سے ہے مرنا مرا بہتر
گھر کی تو نگہبانی کو ہیں عابدِ بیمار   شادی کے عوض رنج دکھاتا ہے مقدر
اولاد کی تو بیاہ سے ہو ماں کی خوشی ہے
[illegible] مرنے کی خوشی ہے

(۶۷)

شہ نے کہا مانے گا بھلا باپ کا کب دل — اکبرؑ نہ لیا سامنے آنکھوں کے ہو بسمل
بیٹے نے کہا صبر کی چھاتی پہ رکھو سِل — حضرتؑ نے کہا دل نہیں ہوتا متحمل
کی عرض کہ صبر آپ کا مشہور ہے بابا
حضرت نے کہا اب نہیں مقدور ہے بابا

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ یا حضرتِ شبیرؑ — منظور ہے اعدا میں پھنسے اکبرؑ دلگیر
رسّی سے گلا باندھیں مرا ظالم بے پیر — گردن میں تو ہو طوق گراں پاؤں میں زنجیر
شہ نے کہا تقدیر سے چارہ نہیں بیٹا
پر قید ہو تم یہ بھی گوارا نہیں بیٹا

ناچار ہوئے باپ کی تقریر سے اکبرؑ — آنکھوں میں بھرے اشک گئے خیمے کے اندر
مادر نے بلائیں لیں کہا اے مرے دلبر — کس بات پہ تم روتے ہو صدقے گئی مادر
مجھ سے کہو گر شہ کا ادب کرتے ہو بیٹا
کس چیز کو بابا سے طلب کرتے ہو بیٹا

کیوں روتے ہو ان نرگسی آنکھوں کے میں قرباں — اس پیاس میں واری نہ کرو آپ کو ہلکاں
مجھ سے کہو بیٹا کہ بجا لاؤں میں فرماں — تابع مری مرضی کے ہوا ہے اکبرؑ ذیشاں
تم سے تو زیادہ کوئی پیارا نہیں اکبرؑ
خفگی تری یہ ماں کو گوارا نہیں اکبرؑ

یہ کیا ہے کہ کھولتے ہو کیوں مجھے بتلا دو
تو غصے کو جانے دو میں قربان گئی آؤ
اب اشکوں کو پونچھو مجھے لے لال نہ رلواؤ
حضرت کو بلاتی ہوں میں اک لحظہ ٹھہر جاؤ

پوچھوں گی کہا کیا جو مرا لال خفا ہے
آزردہ کیا تم کو مجھے شہ سے گلا ہے

(۴۷۰)
اکبرؑ نے کہا مرنے کی اجازت نہیں ملتی
سب قتل ہوئے اور ہمیں رخصت نہیں ملتی
دکھ درد سے سر دے کے فراغت نہیں ملتی
ہوں جسکا طلبگار وہ دولت نہیں ملتی

افسوس کہ لڑ کے تو شریک شہدا ہوں
ہم والد ماجد پہ نہ میداں میں فدا ہوں

سن کر یہ سخن رونے لگی بانوئے دلگیر
دل سے کہا بن بیٹے کا اب کرتی ہے تقدیر
کچھ سمجھی تھی میں یاں تو ہے کچھ اور ہی تدبیر
کس طرح رضا مرنے کی دیں بیٹے کو شبیرؑ

اکبرؑ کی جدائی تو اٹھائی نہیں جاتی
ہاتھوں سے یہ دولت تو گنوائی نہیں جاتی

اکبرؑ نے کہا کرتی ہیں گر آپ مجھے پیار
دلوا دو رضا مرنے کی اے مادر غمخوار
میں نے کبھی کچھ آپ سے مانگا نہیں زنہار
پر آج سفارش کا ہوں بابا سے طلبگار

بیٹے کی جوانی کا نہ اب غم کرو اماں
اکبرؑ کو نثار شہ عالم کرو اماں

یہ ذکر تھا جو خیمے میں داخل ہوئے سرور — روتے لگے گردن کو جھکا کر علی اکبرؑ
کچھ بن نہ پڑی کہنے لگی بانوئے مضطر — روتے ہیں بڑی دیر سے ہمشکلِ پیمبرؐ
عزت تو مرے لال کی مشہور ہے صاحب
اب کیجیے وہی جو اسے منظور ہے صاحب

چھاتی سے لگا بیٹے کو بولے شہ ابرار — اے لال یہیں کرتے ہو تم بیکسی و لاچار [illegible]
اور روؤ نہ جاؤ سوئے میداں مرے دلدار — راضی بہ رضا ہم ہیں جو کچھ مرضیٔ غفار
مادر کو تری صبر خدا دے ترے غم میں
درپیش یہی راہ ہے ہم کو کوئی دم میں

(۶۸۰) فرزند کا منہ دیکھ کے کہنے لگی مادر — کیوں اب تو ہوئے بانوؑ سے راضی مرے دلبر
ہمشکلِ پیمبر نے کہا گر کے قدم پر — کونین میں ممتاز ہوا آپ کا اکبرؑ
حضرت کی سفارش سے رضا مجھکو ملی ہے
بس بخشیے دودھ اب یہ تمنا بے دل ہے

بانو نے کہا تم جو کہو گے وہ کروں گی — اے لال مرے [illegible] چھاتی پہ دھروں گی
دکھ درد اٹھاؤں گی مصیبت میں بھروں گی — پیارے [illegible] فرقت میں مروں گی
ہاں صدقے گئی روؤ نہ بیٹا علی اکبرؑ
رخصت بھی کیا دودھ بھی بخشا علی اکبرؑ

حضرت زینبؑ کا [illegible] بیان

بانوؑ نے یہ تقریر جگر کی تھام کے رقت　　اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
فرمایا کہ اُسے بھی تو لو مرنے کی رخصت　　جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
گو جبّ یہ ہے مگر اُسکو قلق ماں سے سوا ہے
تم پر مری ہمشیر کا حق ماں سے سوا ہے

زینبؑ نے کہا جبکہ یہ صدائے شہ عالی　　میں نے تو کوئی بات نہیں منھ سے نکالی
کیا غم جو نہ پوچھا مجھے ماں ہے تو صفالی　　مالک ہیں یہی میں تو ہوں اک پالنے والی
صدقے گئی فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

بچپن میں یہ چھاتی پہ مری کاہے کو سوئے　　کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہیں کی گیسوے مشکیں نہیں دھوئے　　ان کے لیے کب میں نے سپر ہاتھ سے کھوئے
کیوں روتے ہیں بیکس لیے حضرت کو قلق ہے
حقدار میں کا ہے کو مرا کون سا حق ہے

(۶۸۵)
سی کر نئے کرتے انھیں کب زیب پنہائے　　اسپند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
رکھتی تھی میں کس دن انھیں دولھا سا بنا کے　　ناز انکے پھوپھی نے کبھی کا ہے کو اٹھائے
پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جس روز چلے تھے
ان تلووں سے یہ دیدۂ نرگس نے ملے تھے

جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام — اس شادی کا کس نے کیا کہنے میں سرانجام
قرباں رہی اٹھارہ برس جو سحر و شام — پوچھا بھی نہ - ہاں سچ ہے اُس بی بی سے کیا کام
کیوں انکی بلا لے کے نہ پہلے ہی موئی ہیں
سب لوگ توان کے ہوئے کوئی نہ ہوئی ہیں

بابے مرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار — یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
اس فاقے میں باندھی کمر اور سج لیے ہتھیار — مجبور رہیں پا کے یہ ایسے ہوئے مختار
بھیگیں جو مسیں موت کا پیغام یہی تھا
آغاز خط سبز کا انجام یہی تھا

خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لی اپنے پدر سے — الفت کے سبب لپٹے جیلاں کا پسر سے
ہیں ساتھ ہی نکلوں گی ردا پھینک کے سر سے — کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کیے ہیں
اس لال پہ دو لال فدا میں نے کیے ہیں

ابتک مری آنکھوں سے ہوئے ہیں کبھی اوجھل — ہیں جیتی ہوں یہ جائیں گے کیونکر سوئے مقتل
بستی مری ویران ہو آباد ہو جنگل — اٹھارہ برس کی ہے ریاضت کا یہی پھل
سرسبز ہو جو نخل اکھاڑا نہیں جاتا
ہاتھوں سے چمن اپنا اجاڑا نہیں جاتا

(۶۹۰) مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس — زینبؑ نہیں جینے کی جو یہ بھی نہ رہے پاس
نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ — اب تو یہی میری ہیں مراد اور یہی آس
تیار جنازہ مرا کر لیں تو سدھاریں
ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھر لیں تو سدھاریں

سن کر یہ سخن بی بیاں رونے لگیں ساری — حضرت کے بھی اکبرؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
بانوؑ کے وہ عالم پہ یہ رقت ہوئی طاری — غش ہو گئی اور ہوش میں آ گئی کئی باری
نہ دھیان سکینہؑ کا نہ صغراؑ کی خبر تھی
زینبؑ پہ کبھی اور کبھی اکبرؑ پہ نظر تھی

بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم — رخصت نہ ملے گی تمہیں کیوں کہتے نہیں ہم
دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی بے دم — مر جائے گی اس درد رسیدہ کو نہ دو غم
ماں کی یہی مرضی یہی بابا کی خوشی ہے
زینبؑ کی خوشی حضرت زہراؑ کی خوشی ہے

لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ — کہتی ہیں نہ جانے کو اگر یہ تو نہ جاؤ
خود چاہتے تھے ہم کہ رضا ان کی نہ پاؤ — دن بھولنے کھیلنے کے ہیں کیوں برچھیاں کھاؤ
جان اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے
امت پہ فدا ہونگے سر آپ کے بدلے

لڑنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار — بہنوں سے خبردار برادر سے خبردار
لوٹے نہ کوئی آلِ پیمبرؑ سے خبردار — بنت اسداللہ کی چادر سے خبردار
کیوں روتے ہو اے لال جھکائے ہوئے سر کو
دیکھو تو ادھر اب تو نہ روکو گے پدر کو

(۵۹۶)
جس وقت سنی حضرت زینبؑ نے یہ تقریر — روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر
کی عرض بصد عجز کہ یا حضرت شبیرؑ — صدقہ علی اکبرؑ کا مری بخشیے تقصیر
کیوں آپ ہوئے مستعد جنگ یہ کیا تھا
روکا تھا جو اکبرؑ کو وہ جھگڑا ہی جدا تھا

کیا اس لیے روکا تھا رہیں اکبرؑ ذیجاہ — اور تشنہ دہن آپ سدھاریں سوئے جنگاہ
حضرت تو ہیں دو وقت ہیں ایسی نہیں یا شاہؑ — گر جان بھی کام آئے تو موجود رہے واللہ
بیٹے مرے کیا تھے علی اکبرؑ ہیں تو کیا ہیں
صدقے اپنے پسر کو کہ یہ تو شہؑ کی فدا ہیں

اکبرؑ سے کہا تم مری جاں رن کو سدھارو — زینبؑ کا بڑا کام بگڑتا ہے سنوارو
جو دشمنِ اولاد علیؑ ہیں انہیں مارو — اب حق یہی میرا ہے کہ سر باپ پہ وارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہے بیٹا
ہاں شیروں کے بیٹوں کا یہی کام ہے بیٹا

تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرؑ ذیجاہ
دل تھام کے غش ہو گئی نسبت اسدؔ اللہ
کانپے فلک اس درد سے شبیرؑ نے کی آہ
ماں ڈیوڑھی تلک روتی گئی بیٹے کے ہمراہ

خیمے سے پیمبر سا تھ لپیر سے نکل آیا
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا

(۱۹۹)

رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبرؑ ذیشاں
گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا رحل پہ قرآں
وہ رخش کی چھل بل وہ ضیائے رخِ تاباں
اک برق چمکتی ہوئی پہنچی سرِ میداں

زردی رخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

(۲۰۰)

وہ شان وہ شوکت وہ تہور وہ جلالت
چھپتے ہیں کہیں جوہرِ شمشیر اصالت
طینت میں کرم طبع میں انصاف و عدالت
اقبال علیؑ شان شہنشاہ رسالت

دیکھا جو وہ رخ عرش کے سرتاج کو دیکھا
زلفوں کو جو دیکھا شبِ معراج کو دیکھا

لشکر کی صفیں آ کے نقیبوں نے جمائیں
دریائے بلا خیز کی موجیں نظر آئیں
اس طرح نہ سطریں کبھی صفحے میں سمائیں
تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا کبھی پائیں

کثرت کے سبب سایہ کو جا گہ نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں تہ بہ تہ تھی

یہ ناریوں سے گرم ہوا قتل کا میداں — ملبوس بدن پھنک گئے تیغیں ہوئیں عریاں
گرمی سے نکالے تھے زباں خنجرِ براں — اور صورتِ اژدر تھیں سناں شعلہ فشاں
اٹھتا تھا دھواں یا کہ سیہ رنگ علم تھے
تھیں برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے قلم تھے

اطباقِ فلک سا گر گئے تھے فوج کے غل سے — تھرّاتا تھا دل رعد کا آوازِ دہل سے
خاروں کو جو کاوش تھی ید اللہ کے گل سے — برگشتہ تھے ہم شکلِ شہنشاہِ رسل سے
ہر صف سے چلی تیغِ ستم تشنہ دہاں پر
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر

بڑھ بڑھ کے ستمگاروں نے بھالوں کو سنبھالا — اور قبضہ پہ ہاتھوں کو سواروں نے بھی ڈالا
تلوار کو اکبرؑ نے کمر سے جو نکالا — دہشت سے ہوا عالمِ بالا تہ و بالا
غصّے میں جو ابنِ خلفِ شاہِ نجف تھا
العظمت اللہ کا غل چار طرف تھا

(۱۰۵) یوں تیغ نے سر ناریوں کے تن سے اتارے — جس طرح اڑیں شعلۂ آتش سے شرارے
تلوار تھی یا برق کے انداز تھے سارے — اک ضرب سے مرتا تھا تو دس خوف کے مارے
قبضے میں اسی صاحبِ جوہر کے قضا تھی
آئی وہ ادھر کو تو ادھر جان ہوا تھی

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی | دم بھر میں نمودار صفیں ہو گئیں خالی
جب ہجوم کے ڈھالوں کی گھٹا آئی تھی کالی | بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی

ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمن جاں پر | گہ سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
ہر کش پہ چلتی تھی سن سے کبھی گاہ کماں پر | کس طرح بھلا ذکر یہ برش لاؤں زباں پر

دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
دم بند ہے ڈر سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

ایک ایک قدم سر پہ سواروں کی تھی لاش | ہر وار پہ گردوں سے صدا آتی تھی شاباش
ٹھہرے نہ قدم ان کے جو تھے سر پہ پرخاش | یوں چھپتے تھے جس طرح چھپے مہر سے خفاش

بجلی کی طرح فوج کو دکھلاتی تھی تلوار
مند جاتی تھیں آنکھیں جو چمک جاتی تھی تلوار

کیا عزم تھا اللہ رے حیدر کی دلاوری ہمت | اک تن میں نظر آتی تھی ہر سر نیزوں کی کثرت
بچپن تھا و جرأت میں وہ شیر بیشہ شجاعت | تلوار میں تھی برق جہاں سوز کی خصلت

اعدا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ذرا دی
صحرا میں ہوا آگ کی بستی ہی لگا دی

گر لاکھ مدد گردشِ ایام کو پہنچے — کب سرعتِ شبدیز سبک گام کو پہنچے
واں پہنچے یہ اور صبح نہ انجام کو پہنچے — جب تک بن میں نسیمِ سحری شام کو پہنچے

وقفہ کبھی تا اسپ سبک پے نہیں کرتا
خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

گر آگ کہوں آگ یہ سرعت نہیں رکھتی — گر کہیے ہوا وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر برق کہوں برق یہ جودت نہیں رکھتی — گر حور کہوں حور یہ صورت نہیں رکھتی

یاں قدر نہ بجلی کی نہ کچھ پیکِ صبا کی
بس خاتمہ اس پر ہے کہ قدرت ہے خدا کی

(۶۲۰) پریوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی — ان پھرتیوں سے بادِ بہاری نہیں چلتی
اس زور سے تلوار دودھاری نہیں چلتی — چلتے ہیں قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی

دو گام بھی ساتھ اُسکے فرس چل نہیں سکتا
اس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

جس وقت وہ تنہا نہ رہا ایک کو یارا — خیمے سے نکل کر پسرِ سعد پکارا
وہ لاکھ تھے سبھی مل کے نہ اک طفل کو مارا — اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمھارا

جی ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
ہے آپ ہی کی آج سے تلوار عرب کی

[illegible] سے مقابلہ

یہ سنتے ہی غیظ اک پلِ غدار کو آیا — میداں میں اُڑاتا ہوا رہوار کو آیا
کس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا — دلبندِ یدُاللہ سے پیکار کو آیا
کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبی کے

رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ غرّا — خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرّا
بدکار رہیاں حُسن و لیاقت سے معرّا — گردن تھی ازل سے تہِ شمشیر تبرّا
پُرہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گذر جائے
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

وہ خود تہمتن سے بھی جسکا نہ اُٹھے بار — چار آئینہ اک قلعۂ فولاد کی دیوار
اژدر تو خود اور مار سیہ نیزۂ خونخوار — وہ گرزِ گراں سر جو کرے کوہ کو مسمار
خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اُڑتا تھا جس سے
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منہ مڑتا تھا جس سے

(۴۳۵) کافر نے رجز پڑھ کے تگاور کو نکالا — اک برچھی بڑے چاہتے لگا ہلانے پہ بھالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا — گردن کو [illegible] [illegible]
بجلی تھی کبھی شانہ [illegible] ہوشیار [illegible] میں
[illegible]

(۴۳۰)

سرسبز کیا گلشنِ اسلام اسی نے — کعبے سے جدا کر دیئے اصنام اسی نے
شاہوں کو دیئے موت کے پیغام اسی نے — قبضے میں لیا روم سے تا شام اسی نے
کانپا کئے خاقانِ جہاں حرب سے اس کے
جاری ہوا سکّہ کا جہاں ضرب سے اس کے

جب تیزی شمشیر زباں اس کو دکھائی — ٹھنڈا تو ہوا تھا یہ حرارت بھی کچھ آئی
تلوار علم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی — معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد یہ بن کی
گھوڑے کی تگاپو سے زمیں ہل گئی رن کی

تلواریں کھنچیں برچھیاں چمکیں علم اٹھے — گھوڑوں کے تگ و پو میں برابر قدم اٹھے
نظارے کو گردوں پہ ملائک بہم اٹھے — گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ امم اٹھے
اکبرؑ جو مقابل ہوئے اس ضال و مضل سے
شبیرؑ قریب آ گئے بیتابیِ دل سے

چلائے کہ لے میرے بہادر ترے قرباں — یہ پیاس کڑی رن کی یہ دھوپ یہ میداں
کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہے مری جاں — اس دیو پہ اللہ ظفر دے تمہیں اس آں
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارے نہیں جد کو
اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

رونے لگے اکبرؑ یہ صدا سن کے پدر کی　　جوڑے ہوئے ہاتھوں کو برخ شہ پہ نظر کی
کی عرض دہا بس ہے شہ جن و بشر کی　　اسوقت نہیں پیاس قسم آپ کے سر کی

غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے
اس شغل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہے

حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر　　جرأت میں نہ تم کم ہو نہ ہیں صبر میں قاصر
پہنچیں گے لیے پیر ہے مدد کرنے کو حاضر　　دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہے یہ کافر

تیور کہیں چھپتے ہیں شجاع ازلی کے
اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علیؑ کے

ہاں دہنی طرف آنے نہ دیجو اسے زنہار　　گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
مغرور تن و توش پہ اپنے ہے یہ غدار　　خود منہ کے بل آئے گا جو خالی گئے دو وار

دشمن جو لڑے جم کے تو پھر لطف غزا ہے
ہاں تھام لو باگ اسکے فرس کی تو مزا ہے

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر نرینہ　　پہونچا تھا جیسے زد پہ علیؑ [illegible]
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ　　شبدیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ

یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

سناں سے جو وہ تلوار گئی سن سے پھر آئی — وہ خود سے نکلی بہ لی گردن سے پھر آئی

وہ کھینچ کے سپر سے گئی جوشن سے پھر آئی — وہ صدر سے نکالی گئی تو سن سے پھر آئی

ہاں [illegible] جبل الہی

غُل تھا کہ [illegible] نہیں [illegible] ل الہی

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز — شہزادے کے گھوڑے کے قریب آ گیا شبدیز

بس تھام لی اکبرؑ نے عنانِ فرسِ تیز — جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز

ہوش اڑ گئے اس بانیِ بیداد و ستم کے

سرکٹ کے گرا فرق پہ چالیس[17] قدم کے

(۷۴) تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا — چاروں سُم رہوار کٹے صاف قضا را

گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ہل گیا سارا — بس چھد کے ہوا ہیر کے فرس سے ستم آرا

دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا

نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

لڑتے تھے کہ پیشانیِ انور پہ لگا تیر — سب خوں سے بھری احمدِ مختار کی تصویر

لکھا ہے کمیں میں تھا کوئی ظالمِ بے پیر — برچھی جو لگی سینے میں حالت ہوئی تغیر

اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا

پھل اس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

تڑپے جو چلے تیروں کے وہ بیٹے میں جگر کے — غش ہو گئے سر گردن رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے [illegible] تیغ و تبر کے — سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے

تلواریں تھیں یا آپ تھے سر پہ خدا تھا
جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

جس وقت ہوا سینے پہ لگا زخم جگر کا — سینے میں رکا آکے دم اس تشنہ جگر کا
گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا پدر کا — چلائے کہ اب کوچ ہے دنیا سے پسر کا

بیکس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا
اپنے علی اکبرؑ کی مدد کیجیے بابا

بیٹے کی صدا سن کے ہوا صدمہ جانکاہ — اک ہوک کلیجے میں اٹھی پہنچ گئے شاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ — دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسد اللہ

ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
عہدہ جو تمہارا ہے ہمیں دے گئے بیٹا

اٹھارواں یہ سال یہ غربت یہ جوانی — یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی — یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی

کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی سے
گویا کہ حسینؑ آج چھٹا ہے نبی سے

لے آئی جو بیتابیٔ دل لاشِ پسر پہ — جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پہ — سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اوپر کے دم اُس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں مُنھ پہ عرق خاک پہ گیسو — پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو — چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آلیں — اے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آلیں
اے روح توقف شہِ والا ادھر آلیں — اے موت ٹھہر جا پدر آلیں پدر آلیں
ارمان یہ دلِ زارِ پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کی آغوش میں نکلے

چلائے شہِ دیں علی اکبر پدر آیا — اُٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
تم ڈھونڈتے تھے جس کو وہ [illegible] پدر آیا — ناشاد پدر بیکس و بے پر پدر آیا
[illegible]
[illegible]

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالو　　گر دم ہو تو ہاتھ سے بازو کو سنبھالوں (۶۵۰)
گرتا ہے پہاڑ اسکو میں کس بات سے ٹالوں　　مرتے ہوئے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں

بچہ ہو کسے اب میں سہارا سا ہے تمہارا
سینے سے کلیجا نظر آتا ہے تمہارا

اکبر نے کہی غش میں جو بابا کی زاری　　بیٹا پی شبیر پہ آنسو ہوئے جاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہے ہماری　　جینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری

کبرا کو سکینہ کو برادر کو نہ دیکھا
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدر　　کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغر کوثر
دادی مرے پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر　　اور شور ہے حوروں میں کہ ہائے علی اکبر

ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی
آتی ہے صدا گریہ محبوب خدا کی

یہ کہتے تھے جو درد ہوا چھاتی میں ناگاہ　　آغوش میں بابا کی تڑپنے لگا وہ ماہ
اک آہ کی اور گلشن فردوس کی لی راہ　　چلائے کلیجے کو پکڑ کر شہ ذیجاہ

اے تشنہ جہاں سے سوئے کوثر گئے بیٹا
[illegible] بابا [illegible] ہائے تم مر گئے [illegible]

اے لال کہاں سے تمھیں اب ڈھونڈ کے لاؤں   بتلاؤ تو کس منہ سے میں اب خیمے میں جاؤں
پوچھے تمھیں بانو تو میں کیا اسکو بتاؤں   مرنے کی خبر بیٹے کی کیا ماں کو سناؤں

ماتم میں ہمیں آپنے رولایا علی اکبرؓ
تم نے مرا لاشہ نہ اٹھایا علی اکبرؓ

x(o)x

شہادت حضرت علی اصغرؑ

(۵۸)

جب دولتِ سرورؑ پہ زوال آ گیا رن میں　　جس گُل پہ تصدق تھے وہ مرجھا گیا رن میں
آنکھوں کا جو تھا نور وہ کھویا گیا رن میں　　جینے کا جو باعث تھا وہ مارا گیا رن میں

ماں باپ کو سہرا بھی نہ اکبرؑ نے دکھایا
پیری میں عجب داغ مقدّر نے دکھایا

یوں باپ کی قسمت کو اُلٹتے نہیں دیکھا　　اس طرح مقدر کو پلٹتے نہیں دیکھا
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دیکھا　　اس عمر کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا

نازوں کے دعاؤں کے مرادوں کے پلے تھے
وا حسرت و دردا ابھی پھولے نہ پھلے تھے

افسوس نہ کچھ عمر نے اکبرؑ کے وفا کی　　پورے وہ جواں بھی نہ ہوئے تھے کہ قضا کی
کیا دخل ہے بندے کو مشیت میں خدا کی　　ماں کہتی تھی مجھ سے علی اکبرؑ نے دغا کی

کچھ بس نہ چلا آ گئے یوں موت کے بس میں
پیدا ہوئے اور مر گئے اٹھارہ برس میں

ہوتا ہے برابر کا پسر قوت بازو — آرام جگر راحت جاں زینت پہلو
ایسا پسر ماہ لقا مقدر و خوش خو — مر جائے تو کیا دل پہ رہے باپ کا قابو
گر پڑتے ہیں اٹھ اٹھ کے یہ کمزور ہیں شبیرؑ
چلتے ہیں مگر غم سے لب گور ہیں شبیرؑ

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو — کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچتا ہے نالوں نے کہ گردوں کو ہلا دو — شہ کہتے ہیں یارب علی اکبرؑ کی بھلا دو
مختار ہے کیا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے

(۶۰) فدیہ ہوا فرزند جواں شکر کی جا ہے — خوشنود ہے رب دو جہاں شکر کی جا ہے
لب پر نہیں فریاد و فغاں شکر کی جا ہے — گردن سے گیا بار گراں شکر کی جا ہے
جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت اسے پہونچی
فارغ ہوئے ہم اسکی امانت اسے پہونچی

رونے سے ملے گر علی اکبرؑ تو میں روؤں — چھاتی سے لپٹ جائے وہ دلبر تو میں روؤں
آباد ہوا اجڑا ہوا پھر گھر تو میں روؤں — رونے سے یہ دولت ہو میسر تو میں روؤں
پھر کھوئے ہوئے لال کو پاتے نہیں دیکھا
دنیا سے گیا جو اسے آتے نہیں دیکھا

منھ کرکے سوئے چرخ یہ فرماتے تھے سرور — عالم مری نیت سے ہے تو اے مرے مختار
گھر سے نہ ہلا تھا تو نہ بچوں سے سروکار — ہر حال میں ہوں تجھ سے اعانت کا طلبگار
گو شاد نہیں ہوں پہ ترے گھر کا گدا ہوں
محتاج ہوں بیکس ہوں غریب الغربا ہوں

کس کس ترے احساں کا کروں شکر زباں سے — ہے ناطقہ عاجز کہ زیادہ ہے بیاں سے
واقف نہیں کوئی ترے اسرار نہاں سے — دشوار ہے عالم کی صفت ہیچمداں سے
پیاس آج کے دن کی مجھے مرغوب ہے مولا
جو تیری مشیت ہے وہی خوب ہے مولا

ہر دم ہے ترا لطف مرے حال کے شامل — پہنچا گیا واں وحی جہاں ہوتی تھی نازل
بخشا وہ مکاں رہتے تھے کونین کے خالق — بے اذن ملک جس میں نہ ہو سکتے تھے داخل
یہ لطف و عنایت ہے تری کون سے گھر پر
جبریل و سرافیل کھڑے رہتے تھے در پر

(۶۵) نانا وہ دیا اشرف ذریت آدم — بابا شہ مرداں سا دیا فخر دو عالم
ماں سیدۂ کون و مکاں ثانی مریم — بھائی وہ کہ تو جس کی بزرگی سے ہے محرم
دنیا میں کسی اور کا رتبہ ہے کب ایسا
نام ایسا گھر ایسا نسب ایسا حسب ایسا

ماں طاہرہ جد طیب و پاکیزہ پدر پاک　　رحمت سے تری کیوں نہوں ایسوں کے پسر پاک
گلشن کی زمیں پاک شجر پاک ثمر پاک　　گھر پاک جگہ پاک صدف پاک گہر پاک

پھولے وہ شجر جسکو ثمردار کرے تو
جس قطرے کو چاہے دُرِ شہوار کرے تو

کیا عمر تھی جب سر سے اُٹھا باپ کا سایا　　دو بھائی تھے دو بہنیں تھیں اور دیس پرایا
تو تھا جو نگہباں تو نہ اعدا نے ستایا　　ماں باپ کا مرنا تری شفقت نے بھلایا

رحمت سے تری خلق کے مختار ہوے ہم
دیکھی جو یتیمی دُرِ شہوار ہوے ہم

فرزند وہ امداد کیا حور شمائل　　تھی جسکی زیارت کے سبب روشنی دل
خورشیدِ زمیں برجِ شرف کا مہِ کامل　　یہ بھی تری امداد تھی اے خالقِ عادل

دولت یہ نہ ملتی جو خداوند نہ دیتا
کیا کرتا اگر تو مجھے فرزند نہ دیتا

اکثر ترے بندے ہیں کہ جنکے نہیں اولاد　　نے فاتحہ خواں کوئی نہ فرزند نہ احفاد
کتنے ہیں کہ غمگیں ہیں کبھی اور کبھی شاد　　بچے ہوے اور مر گئے اور گھر ہوا برباد

مرتے ہوے دیکھا ہے برابر کے پسر کو
اس داغ کی قدر آج ہوئی میرے جگر کو

(۴۴۰)

شوہر تھے جو فرزند تو یہ صبر نہ ہوتا　　خادم کبھی اس اجر کو ہاتھوں سے نہ کھوتا

دامن کو ترے خون سے ہی اشکوں سے بھگوتا　　اکبرؑ کو میں فرزند سمجھ کر نہیں روتا

یوں تو وہ کلیجا تھا مرا اور مرا جی تھا

بس اس لیے روتا ہوں کہ ہم شکل نبیؐ تھا

بچھڑا تھا کبھی مجھ سے نہ وہ گیسوؤں والا　　پیری کا عصا تھا وہی اور گھر کا اجالا

جب چاند سی چھاتی پہ لگا ظلم کا بھالا　　تھا سینے میں خادم کا کلیجہ تہ و بالا

اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں تفتیدہ جگر ہوں

تو رحم کر اے خالق اکبر کہ بشر ہوں

دریا پہ جو عباسؑ نے جان اپنی گنوائی　　خادم کی کمر ٹوٹ گئی مر گیا بھائی

باعث تھا یہ لاشے پہ جو رقت بہت آئی　　مولا مجھے یاد آ گئی بابا کی جدائی

صدمے سے نہ پھر ضبط کا یارا ہوا مجھ کو

پھر داغ ید اللہ دوبارہ ہوا مجھکو

تنہا ہوں بس اب کوئی نہیں مونس و ہمدم　　موجود ہے تو سر پہ کچھ اسکا بھی نہیں غم

اب رنج نہ گھر کا ہے نہ اولاد کا ماتم　　بہتر ہے گزر جائے تری یاد میں جو دم

وابستۂ تسبیح رکھوں رشتۂ جاں کو

جبتک ہے دہن میں حرکت خشک زباں کو

باتیں تھیں ادھر شکر کی اور صبر و رضا کی | تیار تھیں صفیں رن میں اُدھر اہلِ جفا کی
ناگاہ ہوئی خیمے میں اک دھوم بکا کی | سمجھے شہِ مظلوم کہ اصغرؑ نے قضا کی
فرمایا کہ یارب کہیں جلدی اجل آئے
تڑپا یہ دلِ زار کہ آنسو نکل آئے

(۷۷۵)
ڈیوڑھی کے قریب آ کے یہ شبیرؑ پکارے | بیٹھے ہیں کہ ہم تشنہ سوئے فردوس سدھارے
فضہؑ نے کہا اے اسداللہؑ کے پیارے | معصوم کا دم ٹوٹ چلا پیاس کے مارے
سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی ڈھلی تھی
جلد آئیے لونڈی تو بلانے کو چلی تھی

روتے ہوئے خیمے میں شہِ بحر و بر آئے | خوش ہو کے سکینہؑ نے کہا لو پدر آئے
بانوؑ کو جو شبیرؑ اکیلے نظر آئے | چلائی کہ میداں سے نہ اکبرؑ ادھر آئے
لونڈی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں اُن کو
صاحب مرے لٹنے کی خبر کیا نہیں اُن کو

کہدے کوئی مرتے ہیں علی اصغرؑ گلفام | لائیں جو کہیں سے انھیں پانی کا ملے جام
حضرت نے کہا انکو کسی سے نہیں اب کام | جاگے تھے کئی رات کے اب کرتے ہیں آرام
ہم دامنِ صحرا میں ہیں وہ گلزارِ جناں میں
واماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں

فرما کے یہ گہوارۂ اصغرؑ پہ جھکے شاہ
دیکھا جو دم اکھڑا تو ہوا صدمۂ جانکاہ
خورشید لب بام نظر آیا جو وہ ماہ
رانڈوں کے جگر ہل گئے اس درد سے کی آہ

چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے منھ پر
شبیرؑ نے منھ رکھ دیا فرزند کے منھ پر

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
دولت مری لُٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے نسبتِ دل ساقیِ کوثر
آنکھیں بھی جھپکتی نہیں اب تو علی اصغرؑ

کیا ہو گیا اس ماہِ اقبال کو میرے
سب ہے لیے جاتی ہے اجل لال کو میرے

گودی میں لیا شاہ نے گھبرا کے پسر کو
لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
خیمہ سے چلے لے کے جو اُس نورِ نظر کو
غش آنے لگا مادرِ تفتیدہ جگر کو

سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئیں گے رن سے
فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے

اشکِ آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھر آیا
گہوارۂ بے شیر جو خالی نظر آیا
رقت کا ہوا جوش کہ منھ کو جگر آیا
رنگ اڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا

گہوارے پہ سر دھر کے جو غش کر گئی بانوؑ
ہر لب پہ تھا بس یہ ہوا مر گئی بانوؑ

سب بیبیاں چلا کے بکا کرنے لگیں زاری — گھبرا کے اٹھی اور یہ حضرتؑ کو پکاری
یا سبط نبیؐ تن سے چلی جان ہماری — اک لحظہ ٹھہر جائیے میں آپ کے واری
صاحب مری آغوش کے پالے کو دکھا دو
اک بار پھر اس ہنسلیوں والے کو دکھا دو

حضرت نے کہا شوق سے بے شیر کو دیکھو — لو آکے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
بیتاب ہو کیوں اصغرؑ دلگیر کو دیکھو — کیا صبر کیا ہے دل شبیرؑ کو دیکھو
موت آج جدائی ہے تو چارا نہیں صاحب
کیا لال تمہارا ہمیں پیارا نہیں صاحب

تم ماں ہو بڑے دکھ سے ہے تم نے اسے پالا — ہے حق بطرف گر ہو کلیجا تہ و بالا
پر جان ہماری بھی ہے یہ گیسوؤں والا — ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
خوشنود نہیں وہ عشق ہے اللہ سے جن کو
اکبرؑ کو فدا کر کے لیے جاتا ہوں ان کو

(۷۸۵)
میں انکو نہ لیجاؤں اگر ہے تمہیں وسواس — دوری علی اکبرؑ سے ہوئی یہ تو رہیں پاس
انکو ہے ہماری یہی امید یہی آس — اور اسکے سوا پانی کے ملنے سے بھی ہے یاس
لو چلتی ہے میداں میں ہوا سرد نہیں ہے
وہ لوگ ہیں واں جمع جنھیں درد نہیں ہے

دھڑکا ہے کہ بے رحم کہیں تیر نہ ماریں — شرمندہ ہوں تم سے جو یہ کوثر کو سدھاریں
واں تیر ہیں یہاں برسے لیے تلواروں کی دھاریں — غل ہے کہ حسینؑ آپ ہی تو سر تن سے اتاریں
قاتل ہیں وہ اکبرؑ کے تو سجادؑ کے دشمن
ہیں مجھ سے زیادہ مری اولاد کے دشمن

نیزہ علی اکبرؑ کو مرے سامنے مارا — پانی کو ترستا ہوا دنیا سے سدھارا
ہیں دشمنِ اولادِ علیؑ وہ ستم آرا — اس کو بھی کریں قتل تو کیا زور ہمارا
غم ہو کہ عبث لا کے جگر بند کو کھویا
تم دل میں کہو باپ نے فرزند کو کھویا

برگشتہ ہے تقدیر مخالف ہے زمانا — دشوار ہے اب جا کے مرا خیمے میں آنا
سچ کہتی ہو تم انکا مناسب نہیں جانا — الفت ہے اگر مجھ سے تو آنسو نہ بہانا
دکھ درد رنڈاپے کا بھی سہ لیجیو بانوؓ
جو کہتا ہے اللہ سے کہہ لیجیو بانوؓ

لو گود میں فرزند کو اللہ نگہبان — ہر حال میں زینبؑ کی اطاعت کا رہے دھیان
بانوؓ نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن — لونڈی سے خفا کچھ ہوئے میں آپ کے قربان
یوں آپ جسے چاہیے دے جائیے اُن کو
کب میں نے کہا تھا کہ نہ لیجائیے اُن کو

(۷۹۰)

میں بھی ہوں کنیز آپ کی یا حضرت شبیرؑ
ہر دکھ میں رضا جوئے خدا تابع تقدیر
بیتاب تھا دل کی ہے جو بیجا کوئی تقریر
ہیں آپ خطا پوش بحل کیجیے تقصیر
فرزند کا غم ماں کے کلیجے کو چھری ہے
صدقے گئی یہ آتما کی آنچ بُری ہے

خنجر کے تلے جس کا جگر ہو وہی جانے
اس درد کی جس دل کو خبر ہو وہی جانے
دکھ درد میں یوں جس کی بسر ہو وہی جانے
آغوش میں جس ماں کی پسر ہو وہی جانے
شب کٹتی ہے کس طرح سے دن ڈھلتا ہے کیونکر
پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہے کیونکر

پہلو میں ہو یا گود میں یا چھاتی پہ سوئے
دھڑکا ہے کہ بچہ کہیں بیچین نہ ہوئے
پلتا ہے پسر ایک جو ماں عمر کو کھوئے
جس نے یہ اٹھائی ہو مصیبت سو نہ روئے
ماں چپ رہے اور گود سے جائے پسر ایسا
صاحب کوئی لے آئے کہاں سے جگر ایسا

میں آپ کے صدقے مرے ماں باپ بھی قرباں
یہ خادمۂ خاص تو ہے تابع فرماں
خوشنود ہوں لیجائیے انکو سوئے میداں
کچھ میں نے کہا مر گئے جب اکبرؑ ذیشاں
ہاں صبر خدا دے یہ دعا کیجیو صاحب
نام انکا جو اب لوں تو گلا کیجیو صاحب

شہ بولے یہ کیا کہتی ہو اے بانوئے دلگیر — واللہ بدل تم سے رضامند ہے شبیرؑ
دل میں نہ ملال نہ تمہاری کوئی تقصیر — صاحب انھیں دریا پہ لیے جاتی ہے تقدیر

راضی ہیں ہر حال میں خوشنودی رب ہے
اکبرؑ گئے جس جا وہیں انکی بھی طلب ہے

گود میں لے کر انھیں چھاتی سے لگاؤ — بس صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
پیاری کوئی کرتا علی اصغرؑ کو پنہاؤ — اکبرؑ کے جو بچپن کا ہے جامہ وہ لاؤ

دولھا سا بناؤ کہ یہ پروان چڑھے گا
تم شکر کرو آج کہ دودھ ان کا بڑھے گا

سن کے کہا ماں نے کہ آ آ مرے پیارے — سرمہ بھی دیا بال بھی سب سر کے سنوارے
کپڑے تھے جو پیاری وہ پنہائے یہ اتارے — رو کر کہا لو جاؤ میں قربان تمہارے

جھک جھک کے جو فرزند کا منھ یاس سے دیکھا
ماں کو علی اصغرؑ نے عجب یاس سے دیکھا

گویا یہ اشارا تھا کہ دنیا سے چلے ہم — افسوس کہ اس باغ میں پھولے نہ پھلے ہم
گودی میں تمہاری سے چھ مہینے تو پلے ہم — اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبیٰ کے تلے ہم

کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حاصل نہیں اماں
یہ دار محن رہنے کے قابل نہیں اماں

چھوٹا سا سیّد بھی ہے مہمان تمہارا — کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس سے مارا

رش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا — میرا بھی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا

کچھ پانی کے بدلے تمھیں لینا ہو تو کہہ دو

دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہہ دو

الب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے — قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے

ی دوا سے خلد میں گھر لیجیو مجھ سے — خالی ہو اگر [illegible] تو بھر لیجیو مجھ سے

معصوم ہے بے آب کبھی جی نہ سکے گا

اک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا

نھیں برچھی سے انھیں کا ہے یہ بھائی — اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی

ال ہے میرا چھ مہینے کی کمائی — مرجائے گی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی

بہنوں کی یہ ہے جان تو پھوپھیوں کا جگر ہے

مرجانے میں اسکے کئی جانوں کا ضرر ہے

(٨٠٥) ں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لا دو — تم آن کے چلو سے اسے آپ پلا دو

ا یہ ہے مرتے ہوئے بچے کو جلا دو — للہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو

جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے

اے ظالمو اٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو　　جانے وہی اولاد خدا نے جسے دی ہو
سوچے وہ قضا جسکے جگر بند نے کی ہو　　انصاف کرے دل پہ چھری جسکے چلی ہو
غمگیں ہو تو سوزِ نفسِ سرد کو سمجھے
جس دل میں نہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے　　بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے　　اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
اک یاد آگئی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی　　یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی
جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بجھ جائے یہ جلنی　　مر جاؤں میں پر اسکی بجھے تشنہ دہانی
جب سوئے عدم خلق سے منھ موڑ کے جاؤں
حسرت ہے کہ دنیا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

یہ کہہ کے اٹھایا رخِ بے شیر سے دامن　　چہرے کی تجلی سے جہاں ہو گیا روشن
دیکھی جو ہیں وہ چاند سی ڈھلکی ہوئی گردن　　کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن
ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے اُسمیں
تھرا گئے جو صاحب اولاد تھے اُسمیں

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا
دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا
بولا کوئی ایماں بھی گیا دین بھی کھویا
یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے
معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
بولا کوئی بچہ تو ہے پر دھیان کدھر ہے
دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دے گا
یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لے گا

تب شمر پکارا کہ ہمیں رحم نہیں ہے
یہ غنچہ دہن کیا علی اکبرؑ ہے حسین ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقیں ہے
اس قوم میں ایک ایک شقی دشمن دیں ہے
بے صبر نہیں شکر کہ گرفتار قلق ہوں
حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجت حق ہوں

یہ سن کے بڑھا صف سے پسر کاہل بے پیر
پیاسے علی اصغرؑ کے ہوئی قتل کی تدبیر
جوڑا ستم ایجاد نے چلّے میں ادھر تیر
چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیرؑ
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

سب سُنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا
اک تیرِ ستم تاک کے معصوم کو مارا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را
بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رُخ پہ ڈھل آئے
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

(۸۱۵)

گھبرا کے سرے کو جو لگے پیٹنے سرور
سب خون سے تر ہو گیا بھی شلوکا بھی پہ اتر
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازوئے اطہر
ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
بے تابی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر
وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

ہاتھوں پہ جو مُردہ اُسے شبیر نے پایا
آہِ دلِ مظلوم نے گردوں کو ہلایا
تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ میت کو اُٹھایا
کی عرض کہ تب تک تو میں صابر ہوں خدایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں ہوں مدد کا
طالب ہوں فقط مغفرتِ اُمتِ جد کا

اُمت کے گنہ ہوں سے مجھے ہے خطر و بیم
ناموں پہ انھیں کے ہو ثواب اس کا بھی تقسیم
آئی یہ ندا اُن پہ کسی کو نہیں تقدیم
بخشا اُنھیں اے راہرو جادۂ تسلیم
گھبرا نہ اُنھیں اجرِ گراں مایہ ملے گا
فردوس میں سب کو ترا ہمسایہ ملے گا

سن کر یہ سخن شاد ہوئے سبط پیمبر — صغرا کو لیے آئے سوئے لاشۂ اکبر
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر — چلائے کہ ہاتھ اپنا دھرو اے مہ انور
بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج لٹے ہیں
ہشیار کہ یہ بچے ہیں ماں سے چھٹے ہیں

جنگل میں رہزنوں سے برادر کو بچانا — گر روئیں تو بیٹا انھیں چھاتی سے لگانا
کوثر پہ جو پہنچو گے تو پیاس اُنکی بجھانا — لیجیو انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا
مثل گل تر پیاس سے مرجھائے ہوئے ہیں
گردن نہ ڈھلکے تیر ستم کھائے ہوئے ہیں

(۵)

شہادت حضرتِ امامؑ

(۸۲۰)

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں — وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں — وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں

بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گذری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گذری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش — گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش — گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش

اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو جو چھپر کھٹ میں تو تابوت میں دن کو

کرتا نہیں غربت میں کوئی آ کے مدد تک — گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
پھر آتے نہیں وہ جو پہونچے ہیں لحد تک — وہ خانۂ تاریک میں تنہائی ابد تک

نہ دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
تنہا یونہیں شاہانِ اولوالعزم گئے ہیں

جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علم و تاج — نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں اُنکے نہیں آج

شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنہیں باج — وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج

سکّہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں

دولت تو خزانے میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں

اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ — یاور نہ مصاحب نہ محبّانِ وطن ساتھ

نہ مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ — دُنیا کے کُل اسباب سے ہوتا ہے کفن ساتھ

آ جاتی ہے وہاں موت جہاں گھر نہیں ہوتا

بہتوں کو کفن تک بھی میسّر نہیں ہوتا

آرام کے خوگر کو ہے سختی کی کہاں تاب — شب کو جو نہ بستر ہو تو ہو جاتا ہے بے خواب (۸۴۷)

تربت میں کہاں راحت و آرام کا اسباب — جز داغِ جگر وحشتِ ظلمت ہے نایاب

گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا

کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

صحبت تھی جنہیں سیم و زر کی شب وہ کہاں پاس — پھر دو جہاں حسرت تو مصاحب ہے الم و یاس

اک قبر کا ڈر پیش ہے اعمال کا وسواس — اس ملک سے دُنیا میں پھر آنے کی نہیں آس

دکھلائیں ترک چار دن افلاک کے نیچے

سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

کیا اُنکو خبر ہے کہ مکانوں میں مکیں ہیں — خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
تا مرگ یہ مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں — پوچھے کوئی اُن لوگوں سے جو زیرِ زمیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیونکر
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیونکر

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور — دُنیا میں گذر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور — ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام — گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام — وا حسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک

(۲۳۰) رستے پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر — شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر — قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ
سب نذر کو دربارِ پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

جب خیمے میں رخصت کو شہِ بحر و بر آئے — چلّائی سکینہؑ مرے بیکس پدر آئے
حضرتؑ کو جو ناموسِ پیمبرؐ نظر آئے — رو کر کہا ہم قبر میں اصغرؑ کو دھر آئے

لو بیبیو شبیرؑ جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہؑ کا لال چراغِ سحری ہے

تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں؟ — قاسمؑ ہیں کہ عموں کے عوض خوں میں نہائیں؟
عباسؑ ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنا کٹائیں ؟ — اکبرؑ ہیں کہ بابا کے عوض برچھیاں کھائیں؟

یاور کوئی جز بیکسی و یاس نہیں ہے
اصغرؑ بھی سوئے اب تو کوئی پاس نہیں ہے

تم سب کو کیا خالقِ اکبر کے حوالے — زہراؑ کے حوالے کیا حیدرؑ کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابدؑ مضطر کے حوالے — ہے میری سکینہؑ مری خواہر کے حوالے

ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی
بہلائیو جس دم وہ مجھے یاد کرے گی

سب بیبیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر — تھرّائی ہوئی غش سے اٹھی شاہ کی ہمشیر
ہر ایک کا منہ تکنے لگی با [illegible] دلگیر — سب سے کہا کیوں صاحبو دیکھی مری تقدیر

میں سمجھی تھی پرسا مجھے یہ دیں گے پسر کا
ہے اور ہی کچھ قصدِ شہِ جنّ و بشر کا

اُجڑی تھی مری کوکھ ہوا تھا مرا جایا | اس آنچ نے تھا دل بھی کلیجا بھی جلایا
کہتی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایا | پیغام رنڈاپے کا بھی قسمت نے سنایا
رکھا ہے تنہا ہی نے قدم گھر میں ہمارے
در در ابھی پھرنا ہے مقدر میں ہمارے

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبطِ پیمبر | باتیں نہ کرو یاس کی اے بانوئے مضطر
دنیا میں سدا رہتا ہے فرزند نہ شوہر | کیوں روتی ہو اللہ کا سایہ تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار وہی ہے
مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

لوٹیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا | منعم ہو تمہیں نور و زر کس نے دیا تھا
یہ نخلِ تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا | ہمشکلِ محمد سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی اُسی کی
بخشش تھی اُسی کی یہ عنایت تھی اُسی کی

گھر بار کے لٹنے کا ہمیں غم نہیں زنہار | بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبک بار
سب کچھ مجھے بخشا تھا مگر عاقبتِ کار | بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
جو اُسکی امانت تھی وہ سب دے کے چلے ہیں
کچھ لیکے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

دُنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند — لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کے پابند
مر جاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند — ملتے نہیں کیا خلق میں اُن لوگوں کے فرزند
کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولادِ حسنؑ کو

(۸۴۰) کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اُٹھ گئے بھائی — پروان چڑھے پرورش ہر لطف سے پائی
قاسمؑ کو کوئی روک سکا جب اجل آئی — وہ آج تلک چھوڑ گئے تھے جو کمائی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دُنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس درجہ گرفتار — ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
تنہا ہیں کہ بھائی ہے نہ دو چار مددگار — دُنیا سے گیا اکبرؑ سا شادا و سا غمخوار
بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
اُن کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

بالو سے یہ فرما چکے جب حضرتِ شبیرؑ — حیرت سے نظر کی طرف زینبؑ دلگیر
فرمایا کہ تم بھی ہمیں رخصت کرو ہمشیر — منزل ہے بہت دور مناسب نہیں تاخیر
دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے
شبیرؑ سے مل لو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

ہم فاطمہ زہراؑ کے طریقے سے ہیں آگاہ　　ہر شخص کو دنیا میں ہے اک روز یہی راہ
زینبؑ نے کہا صدقے بہن اے شہِ ذیجاہ　　بے آپ کے مرجائے گی ہمشیر اسد اللہ

جو حکم ہو کچھ منہ سے نہ ہمشیر کہے گی
نہ کہنہ ردا بھی نہ مرے سر پہ رہے گی

اس عمر میں تھوڑے سے غم جانکاہ اُٹھائے　　اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے　　ٹکڑے دلِ شبّرؑ کے لگن میں نظر آئے

حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجا مرا پتھر نہیں بھائی

(۲۴۵) ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا　　دشوار ہے اک آن مسافر کو ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گذرنا　　ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا

صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اُجڑتے نہیں دیکھا

منہ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر　　ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لیے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبّیرؑ　　بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر

بیٹھی ہو پسر بھر علی اکبرؑ کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی — صدمے سے جیے گی نہ سکینہؑ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمھیں پالنے والی — صابر جو ہیں ملتا ہے اُنھیں رتبۂ عالی

ایسا تو کسی کو غمِ تنہائی نہ ہو گا
اللہ تو سر پہ ہے اگر بھائی نہ ہو گا

وہ حمد کے لائق ہے سزاوارِ ثنا ہے — ہے اُسکو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دُنیا میں کہ یہ دارِ فنا ہے — آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے

ہے کون بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں — جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں — پیدا ہوئی جنکے لیے دُنیا وہ کہاں ہیں

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر — جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر (۸۵۰)
وہ مجمع احباب وہ دربارِ پیمبرؐ — وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم شوکتِ حیدرؑ

بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اُڑتی ہے جس میں

اے عابدِ بیمار و حزیں گھر سے خبردار — اے جانِ پدر آلِ پیمبر سے خبردار
ماں رانڈ ہے اس رانڈ کی چادر سے خبردار — مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
مشکل ہے جو اُمت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تم پہ یہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

(۸۶۰)
یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں — پیار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں — غش ہو گئی زینب پہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر — رخ کی طرف و دوش میں گردنِ انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر — کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل اُنکی تباہی میں پڑی ہے

یارب ہے یہ سادات کا گھر تیرے حوالے — رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے — سب ہیں مرے حضرت پہ کہ گھر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انہیں چھوڑ چلا ہوں

لہ کہہ کے گریباں مبارک کو کیا چاک — اور ڈال لی پیراہن پُر نور میں کچھ خاک
نت ہوئے شبیرؑ کفن بن گئی پوشاک — بس فاتحہ خیر پڑھا با دلِ غمناک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

ائی میں ایک ایک کو حضرتؑ نے پکارا — کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
سے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا — اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرش بریں پر

ا جو بڑھا نہ زمیں تک قدم پاک — تھرا کے جھکا سر بہ زمیں توسنِ افلاک
ے پہ چڑھا تختۂ دلِ سیدِ لولاکؐ — جبرئیلِ امیں ساتھ ہوئے تھام کے فتراک (۸۶۵)
کس منہ سے کہوں حسنِ نشستِ شہِ دیں کو
معلوم ہوا جڑ دیا خاتم پہ نگیں کو

ورس رحل تو قرآں شہِ والا — وہ تخت ہوا تھا تو سلیماںؑ شہِ والا
صبا بوئے گلستاں شہِ والا — وہ برجِ شرف نیرِ تاباں شہِ والا
بو گل کی نسیمِ سحری لے کے چلی ہے
غل تھا کہ سلیماںؑ کو پری لے کے چلی ہے

ہے عام کو مرغوب بہت وصفِ سراپا — حیراں ہے مگر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا — جو شے ہے سراپا سے شبیہ وہیں ہیں سو یکتا
خورشید خجل رخ سے قمر اُس کف پا سے
کس شے کو مقابل میں کروں نورِ خدا سے

سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق آئینہ ابرو — سنو پیچ نہیں کیا ہو صفت کاکل گیسو
اُس زلف کی ہمسر ہو سنبل کا نہیں رو — نہ مشک میں نہ عنبر سارا میں یہ خوشبو
کس طرح نہ عاجز دمِ تحریر قلم ہو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو تعریف رقم ہو

ہر مو ہے رگِ ابر کرم یا رگِ جاں ہے — یا ہے یہ شبِ قدر کہ قدر اسکی عیاں ہے
یا سنبلِ پیچیدۂ گلزار جناں ہے — یا آہِ دلِ حضرتِ زہراؑ کا دھواں ہے
دیکھو تو ضیا چہرۂ شاہِ شہدا کی
دو راتوں میں اک صبح یہ قدرت ہے خدا کی

(۸۷) پیشانی نورانی فرزندِ پیمبرؐ — ہے مطلع نور آیتِ نورِ اقدس و اطہر
آئینہ جو کہیے تو یہ روشن وہ مکدّر — دوں ماہ سے نسبت تو وہ داغی ہے سراسر
کہتا ہے یہ دل لطف تو حاصل نہیں ہوتا
ناقص کبھی کامل کے برابر نہیں ہوتا

اُن ابروؤں کو کہیے جو شمشیرِ ہلالی — کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضموں نہیں عالی
تشبیہ سیہ قوس کی جو کاہش سے نکالی — دیکھا تو یہ پہلو بھی ہے کچھ حسن سے خالی
ابرو فلکِ حُسن پہ یکتا نظر آئے
آنکھوں سے بھی رتبے میں دوبالا نظر آئے

نرگس سے جو تشبیہ ہو اُس چشم کی منظور — مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
آپس میں کریں اہلِ بصارت یہی مذکور — یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
بینا ہو تو عاقل یہ خطا کس کی طرف ہے
تحقیر تو اعلیٰ کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے

کس منہ سے بیاں کیجیے وصفِ لبِ شبیرؑ — جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر
یاقوت کا کیا مرتبہ کیا لعل کی توقیر — پتھر نے کہاں پائے یہ اعجاز یہ تقریر
ہر لب پہ ہے ذکر اُنکی جو شیریں سخنی کا
غیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

دانتوں کی ثنا اپنی زباں پر کوئی کیا لائے — الماس و گہر جنکی چمک دیکھ کے شرمائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سی چمک جائے — افلاک تو اس طرح کے اختر نہیں دکھلائے
ہے فوق اُنھیں عقدِ ثریا سے گھنے ہیں
یہ فاطمہؑ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

۱۱

تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار
یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
اعجاز سے خالی نہیں حسنِ شہِ ابرار
دیکھو تو ادھر شام اُدھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو میں اُجالے نے لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

وہ ریشِ مخضّب وہ رُخِ سیّدِ والا
ہے چاند نے مُنہ شام کے پردے سے نکالا
وہ گیسوئے مشکیں کا رُخِ پاک پہ ہالا
تھا صبح پہ دامن شبِ معراج نے ڈالا
رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی ہے
خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

حضرت نے نظر کی جو سوئے قومِ ستمگر
دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہِ صفدر
فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہ دریا ہے کہ لشکر
دُنیا میں بدوں کو نہیں کچھ نیک کی خاطر
اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر

جوڑے ہوئے تیروں کو ہیں چلّے میں کماندار
اک سینے کی خاطر یہ تردد ہے تو بیکار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجرِ خونخوار
پامالی تو اک جسم کی اور اسقدر اسوار
دستِ ستم و جور بڑھائیں گے کہاں تک
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائینگے کہاں تک

بے چین تھا مرکب اِدھر اُس برق کی تمثال — ہر مرتبہ چمکارتا تھا فاطمہؑ کا لال
کہتے تھے ستمگار زہے حشمت و اجلال — دیکھو تو ذرا شوکتِ شبیرؑ خوش اقبال
لب تشنہ کئی دن سے شہِ مظلوم رہے ہیں
پر شیر سے میداں میں کس طرح گھوم رہے ہیں

اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر — حضرتؑ یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر (۸۸۰
دیکھو نہ مٹا دو مجھے اے فرقۂ بے پیر — ہیں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہم تصویر
واللہ تعلی نہیں یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقع میں حسینؑ ایک ورق ہے

نانا وہ کہ ہے جس کے قدم عرش کے سر تاج — قوسین مکاں ختم رسل صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج — باپ ایسا صفِ شجاعوں کو جسنے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدرؑ صفدر نہ نکلتے
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے — کس معرکۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے — تھی کونسی شب جسکو سحر کر کے نہ آئے
تھا کون جو یاں تیغِ صمصام نہ لایا
اُس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا
خجل ہیں، مدینے سے مقدر مجھے لایا
کھانا بھی کھلایا مجھے پانی بھی پلایا
دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
مشتاق مدینے کی حکومت کا نہیں ہیں
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں

جس شہر کو کہدو میں اسی شہر کو جاؤں
بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
لکھوا لو شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں
مجرم جو قلمرو میں تمھارے کبھی آؤں
سختی بھی اٹھاؤں گا مصیبت بھی سہونگا
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہوں گا

ما نیست جو چھوڑوں کبھی کہسار کا داماں
پھرتا ہے تم لوگوں کا اور میرا گریباں
اسباب بھی لے لو مجھے کیا چاہیے ساماں
اب عمر بھی آخر ہے کوئی دن کا ہوں مہماں
ممکن نہیں جینا مرا اس رنج و الم میں
سن لیجیو مر جاؤں گا فرزندوں کے غم میں

دنیا میں نشاں کفر و ضلالت کا نہ گاڑو
للہ ستون کعبۂ دیں کا نہ اکھاڑو
خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو
عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اجاڑو
گو آج زبردست ہو یا صاحب زر ہو
مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کہ بشر ہو

یہ سُن کے لعینوں نے کہا شاہِ امم سے | جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہوگا نہ ہم سے
اک دم میں گلا کاٹیں گے شمشیرِ دو دم سے | زینبؑ کو ملے گی نہ اماں قیدِ ستم سے

حاکم سے خجل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
سر کاٹ کے لیجائیں تو ہو نام ہمارا

حضرتؑ نے کہا خوب ہوا سب اسکا دیا واہ | وہ کام کرو جس میں رضا مند ہو اللہ
حاکم جسے کہتے ہو تمہارا ہے وہ بدخواہ | بہکانے سے بیدیں کے جہنم کی نہ لو راہ

وعدہ ہے جو کچھ وہ بھی نہ تم پاؤ گے یارو
دیکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو

گر زعم میں تم سب کے گنہگار ہے شبیرؑ | ناموسِ محمدؐ کی ہے پھر کون سی تقصیر
ان بیبیوں کی شان میں ہے آیۂ تطہیر | مریم سے زیادہ مری بہنوں کی ہے توقیر

لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم
اے ظالمو اس گھر کو نہ برباد کرو تم

چلّا کے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار | ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں دیں سے سروکار
وہ کرتے ہیں ہم جس میں ملیں درہم و دینار | گر جان بچانی ہے تو رکھ دیجئے ہتھیار

بیعت کا یہ قصہ ہے فساد اور نہیں ہے
بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہے

(۱۹۵)

بے درد نے چھڑکا جو نمک زخمِ جگر پر — طاری ہوا غصہ شہِ مرداں کے پسر پر

سرخی سی نظر آنے لگی دیدۂ تر پر — کی تیز نظر قبضۂ شمشیرِ دو سر پر

شہ کی نظرِ غیظ نہ تھی قہرِ خدا تھا

شمشیرِ یداللہ جدا میان جدا تھا

خود تیغِ علیؑ شاہ کے اعجاز سے نکلی — فریادِ دلِ قوم دغا باز سے نکلی

کس شان و تجمل سے کس انداز سے نکلی — پریوں کے بھی ہوش اُڑ گئے اس ناز سے نکلی

فانوس سے خود شمعِ تجلی نکل آئی

محمل سے تڑپتی ہوئی لیلیٰ نکل آئی

وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار — گویا تھا مجسم غضبِ حضرتِ قہار

اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار — ڈھالیں اٹھیں تھیں کہ گری برقِ شرربار

گرمی سے ہوا میں شرر اُڑتے نظر آئے

جھونکا تھا غضب کا کہ سر اُڑتے نظر آئے

آگ سے اٹھی چار طرف شعلہ فشاں برق — وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق

موج تو واں [illegible] یہ تو واں برق — منھ زہر بھرا قہر بہت آگ زباں برق

سرکش تھا جو نار یہ جلاتی تھی اُسی کو

لوہے پہ جو گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو

ڈھلکر کبھی ٹھہری کبھی لچکی کبھی چمکی
سر گر گئے گردن جدھر اُس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گروں کی
تھی مینھ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

(۹۰) تھا صورتِ آئینہ تمام اُسکا بدن صاف
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو مُنھ صاف دہن صاف
چلتی تھی جو سن سن یہ نکلتا تھا سخن صاف
ہولیں میں تو وہ چار ہوں سب کو کر دیتی ہوں رن صاف
نااہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

تھا دور تلک خون سے اُس فوج کے رن سرخ
پھولا ہوا تھا تیغ کے اک پھل سے چمن سرخ
چہرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد بدن سرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سرخ دہن سرخ
بے وجہ نہ مُنھ لال تھا اُس عربدہ جو کا
بیڑا وہ اُٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

مغفر سے جھلم تک گئی گردن میں در آئی
گردن سے سرکتا تھا کہ جوشن میں در آئی
جوشن سے گذرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
تن سے ابھی گذری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

قبضہ تھا کہ تھا چہرۂ پُر قہر قضا کا
نا میں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
باڑھ ایسی کہ رخ پھر گیا ڈھالوں کی گھٹا کا
لپٹہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
طغرے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا
جو سر پہ انا سیف ید اللہ لکھا تھا

پیری کبھی گہ خوں میں نہا کر نکل آئی
ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی
کاٹی جو زرہ، رخ میں جا کر نکل آئی
منجدھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئی
کیا ڈر اسے طوفاں کا جو چالاک ہو ایسا
جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہو ایسا

غصے میں گئی اور غضبناک پھر آئی
افلاک پہ پہنچی تو سوئے خاک پھر آئی
بے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی
غل ہوتا تھا ہر سو کہ وہ سفاک پھر آئی (۹۰۵)
خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو
پھر کیا مناجات نہ چھوڑے گی کسی کو

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا
تیزی سے یہ جیسے نہ ازا سر اس کا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا
پیچ و خم کی جو بنا تھی تو اسی واسطے خم تھا
بے اصل تکبر کے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

زیبا تھا دم جنگ پری وش سے کہنا | معشوق بنی سُرخ لباس اُس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا | پھر سر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا

مہکے ہوئے ہیں خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

سر تھکے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہونچے | قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہونچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہونچے | خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہونچے

دوزخ کی زبانوں سے بھی آنچ اُسکی بُری تھی
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی

موجود تھی ہر غول میں اور سب سے جدا تھی | دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی | امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی

کیا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں سب کا وہی صرف تھا اُس کا

(۹۱۰)

پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا | ہر ہاتھ میں ثابت کسی گیرائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا | تیزی کو کڑھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا

اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

لکھا ہے اُدھر تھا پسِ قطبہ کوئی سردار — مرحب کی طرح سرکش و زور آور و جرار
اور جیا کہ ہزار اہلِ ستم کا تھا وہ سردار — شمشیر تھی اُسکی دمِ اژدر دمِ پیکار
کینہ تھا اُسے سبطِ رسولِ عربی سے
مارا گیا تھا اُسکا پدر دستِ علیؑ سے

کس غیظ سے آیا سرِ میداں وہ ستمگر — ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے جوہر — سرخ آنکھیں پھرا منہ ہے کڑا اور دیو سا پیکر
فولادی سپر دوش پہ جیسا کہ آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

اسپِ دو رکابہ بھی قوی ہیکل چالاک — نیزے کو دھرے دوش پہ مرکب کے غضبناک
زنجیروں سے باندھے کمر نحس کو ناپاک — ابرو پہ تکبر سے گرہ خود سر و بیباک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کے جلو میں
اور بیکسی تھی سبطِ پیمبر کے جلو میں

گھوڑے سے یہ بولا پسرِ شاہِ ولایت — فاقہ پہ تو فاقہ ہے یہ ہے وقتِ رفاقت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت — قدموں سے کہا ٹھہرے کہ نہ ہٹنا کسی صورت
ہم بھوکے ہیں نہ دنیا میں یہ انصاف رہیگا
اس جنگ کا غل قاف سے تا قاف رہیگا

(۹۱۵) گھوڑے نے کہا جان ہے جب تک تو ہوں ہمراہ — طاقت ہے کہ تو پشت پہ ہے اے شہِ ذی جاہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہ کے ماہ — ہم قوّتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہِ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

نعرہ جو کیا شہ نے ہلا گنبدِ دوّار — طبقاتِ اراضی کو تزلزل ہوا یکبار
ہیبت سے ہوئے شیر گریزاں سوئے کہسار — فرمایا کہ ہاں وار کر اے ظالمِ غدّار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کروں گا کہ میں حیدرؑ کا پسر ہوں

یہ سنتے ہی بس قول کے نیزے کو وہ گمراہ — اس طنطنہ سے آیا کہ العظمۃ للہ
پہونچی تھی سناں متّصلِ سینہ کہ ناگاہ — تڑپی کہ بجلی جوں صاعقۂ شمشیرِ ید اللہ
اُس سیف کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی
ایک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی

قبضے میں کماں لیکے بڑھا شیثِ دغا کا — چلّے سے یہ تعجیل ملایا لبِ سوفار
مارا تھا نشانہ کہ پکارے شہِ ابرار — ہاں میں بھی جگر گوشۂ حیدرؑ ہوں خبردار
یہ کہتے ہی چھیڑا فرسِ گرم عناں کو
نیزے سے اُڑا لیگئے جوں تیر کماں کو

شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری
اُس عاشقِ باری پہ یہ غصہ ہوا طاری
حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
اس پھرتی سے اُس ظالم پُر کید پہ آئے
جس طرح کہ شہباز اجل صید پہ آئے

دھنی طرف اُس شامی نے گھوڑے کو اڑایا
تیغِ دو زباں کو سرِ عالم نے اُٹھایا
حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
سر تک وہ سپر ہاتھ سے لانے بھی نہ پایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرقِ لعیں پر
سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر

سر پہ جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن
گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
جوشن سے جدا ہو کے لیا زین کا دامن
دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں
اور تھا سرِ دنبالہ دھنس آئی وہ زمیں میں

فرزندِ محمد نے کیا نعرۂ تکبیر
تھرّانے لگا خوف سے سب لشکرِ بے پیر
تھا غور کہ زہرا کے یہ ہے دودھ کی تاثیر
دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
قبضے میں اسی تیغ دو پیکر کے قضا ہے
اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے

تیغ ایسی فرس ایسا کہ اندھی ہے جہاں گرد | بجلی کی بھی تھی گرمی بازار جہاں سرد
پھرتا تھا تڑپتا ہوا ہر سو دم ناورد | ہوتا تھا پسینے سے خجل عطر گل ورد

بوئے تن رنگین نگار آ گئی گویا
آیا وہ جدھر باد بہار آ گئی گویا

کھینچی جو کبھی نظم میں اس رخش کی تصویر | ٹکڑے ہوئی ہر مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
مضموں کا بندھا تانتا اسمیں کسی تدبیر | اڑ اڑ گئی کاغذ سے سیاہی دم تحریر

رنگ رخ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا
جھپکی جو پلک سادہ ورق ہاتھ میں دیکھا

(۴۷۵)

دیکھا ہے جو کہیے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا | تھا وسعت عالم کا بھی میدان اسے تھوڑا
مشرق میں لیا دم تو اسے مغرب میں جا چھوڑا | جب باگ کھنچی ایک کی کمر پڑ گیا کوڑا

ممکن تھا کہ خود جائیں اسے روکیں تو رکے وہ
چمکار کے حضرت ہی جو روکیں تو رکے وہ

وہ رشک صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام | ہووے جو فدا سبزۂ زمیں سے اسے کیا کام
خوش قامت و خوش سر و خوش انداز و خوش اندام | تھا نعل در آتش کبھی دم بھر نہ تھا آرام

دیکھا ہوا لاشوں پہ قدم جاتا تھا گھوڑا۔
دامان جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے
آنکھوں کو چرا لیتے تھے خیالات سے چکارے
ہرنوں سے خم تھا ہوئے تو شرم کے مارے
اٹھتے تھے قدم جب تو چھپتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیونکر فلک ماہ جبیں کو
نقش سم شبدیز لگے چاند زمیں کو

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خلق میں رافت تھی زیادہ
چھوٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری کبھی منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

رہنے نہ دیا اعدا کو ترائی سے بھگا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو نہیں آ کر
تشنہ یہیں کرتے ہیں مسافر کو پلا کر
ہم چاہتے تو پانی پی لیتے نہر پہ جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب نہر پہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

لی نہیں اکبر کی بہن تشنہ دہانی
وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی (۹۰۳)
روتے ہوئے ہونٹوں پہ وہ اعجاز بیانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے تیغ کا پانی
اس سے کہیں جو خون جگر ہم نے پیا ہے
بیٹا ایسے مر کے بھی کبھی باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے — الفت ہمیں لے آئی ہے چل کر پاس تمہارے
لڑتے ہوئے آپہونچے ہیں دریا کے کنارے — عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
اس سوکھے ہوئے ہونٹ سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منھ کو چھپائے — اٹھ کر سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمہیں کس طرح جگائے — ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی — تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی — دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو — سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو — سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

۳۵۱

جھک جاتے تھے ہر نے پہ جو غش میں شہِ ابرار — منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرِ دل افگار — اب خاتمہ جنگ ہے اے اسپِ وفادار

اُتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا

ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا — اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلہ صعب ہے دنیا سے گذرنا — سجدے میں کٹے سر یہ سعادت ہے پہ مرنا

طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہیں ہمیں اُسکے کہ ورثہ ہے پدر کا

اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی — خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی — خود تھام کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی

کپڑے تنِ پُر نور کے سب خون میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار — جا ڈیوڑھی پہ اے صاحبِ معراج کے رہوار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار — زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہؑ سے خبردار

رہنا نہ وہیں جب تلک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو باقرؑ کو جدھر حکمِ خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسدؓ اللہ کا جایا
اک تیر جبیں پر پسرِ اشعث نے لگایا
فریاد نے زہراؑ کی دو عالم کو ہلایا
پیکانِ سہ پہلو عقبِ سر نکل آیا
تڑپے نہ زہے صبر امامِ دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

(۱۷۰) حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر
جو سر پہ لگی تیغِ بنِ مالکِ بے پیر
ابرو تلک اُتر کر جو اُٹھی ظلم کی شمشیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
چلّائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبیؐ کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علیؓ کا

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پر
جھکتے تھے کبھی غش میں اُٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں جو لگا تیر دہن پر
یاقوت سے ڈوب گئے خوں میں لبِ اطہر
یہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک

نیزے کا سناں نے سوئے پہلو پہ کیا وار
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
تا دل گئی برچھی کا پھل کلیجے کے ہوا پار
اندر ہی در آیا تبرِ خولیٔ خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
شورِ دہلِ فتح ہوا فوج میں اکبار
خوش ہو کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار
اے خولی و شبیث و بن ذی الجوشن جرار

آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سرکاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علیؑ کا

پھٹتا ہے جگر حال لکھوں ذبح کا کیونکر
حلقِ پسرِ فاطمہؑ اور شمر کا خنجر
وہ سینہ جو تھا رتبے میں قرآں کے برابر
ہے قہر کی جا پاؤں دھرے اُس پہ ستمگر

جس حلق کے بوسے لیے زہراؑ و علیؑ نے
فریاد ہے کاٹا اُسے خنجر سے شقی نے

ملبوسِ بدن لیگئے سب لوٹنے والے
سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے (۱۴۵)
پہلوئے مبارک میں گڑے رہگئے بھالے
کیوں جرخ یہ حال اُسکا جسے فاطمہؑ پالے

شبیرؑ کا سر نیزۂ خولی کی انی پہ
تُف دہر پہ اور خاک ہے دنیائے دنی پہ

XOX